



جس دلمے  
تیرے گلے کھلے

نیلم ریاست

# جب دل ملے تب گل کھلے

محبت کے احساس سے جب وہ پہلی دفعہ واقف ہوا تو جسم و جان میں ایک نئی توانائی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ اس کو اپنے رویے پر پچھتاوا نہیں تھا۔ پچھتاوا تو تھا مگر اس وقت اسکی سمجھ جو آیا اسکے مطابق جو رویہ اس نے اپنی جان کے ساتھ رواں رکھا وہ ٹھیک تھا۔ کیونکہ وہ یہی سمجھی تھی کہ وہ اس سے نفرت کرتا ہے پیارا اور لگاؤ کا اظہار سوچے سمجھے منصوبے کا ایک حصہ تھا اسی ایک جوئے میں وہ اپنی متاع ہار گیا تھا اور اب اپنا وجود بالکل کھوکھلا لگتا تھا دن رات یہ سوچنے میں مصروف رہتا کہ کیا ساری زندگی ایسے ہی کٹنی ہے۔ اسقدر ویران اور پچھتاواں بھری محبت ہر ایک کو اس بھی کہاں آتی ہے۔ اب اس نے اپنی ساری زندگی اس کے بغیر ہے گزارنی تھی۔ رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا اور اس چار منزلہ عمارت کے تیسرے حصے میں موجود ایک آفس کا فون بجنے لگا تو وہاں اندھیرے میں صوفے پہ نیم دراز وجود میں حرکت پیدا ہوئی بے دلی سے اٹھ کر لائٹ جلائی فون ابھی بھی مسلسل بج رہا تھا۔ میز کے قریب آکر سیٹ کی سکرین پہ چمکتا ہوا نمبر دیکھ کر ایک دفعہ پھر سے خود کو ملامت کرنے کو جی چاہا۔۔۔۔ ایک عورت تو تقدیر نے دور کر دی تھی۔۔۔ مگر ایک ابھی اس وقت گھر پہ بیٹھی اسکا انتظار کر رہی تھی۔ فون اٹھانے کی بجائے کرسی کی بیک سے اپنی جیکٹ میز پہ پڑی گاڑی کی چابیاں اور موبائل

اٹھا کر آفس کو لاک لگا کر وہاں سے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

آنے والوں میں دو خواتین اور ایک آدمی شامل تھا۔ ہونے والے سسر ساس اور نند بیچارے شکل سے ہی بھلے لوگ معلوم ہو رہے تھے۔ سلام ڈعا کے بعد انٹرویو کا سلسلہ شروع ہوا۔ نہ نہ لڑکے والوں کی جانب سے خاک محترمہ شانزے شفقت کی جانب سے تابلو توڑ سوال پڑے کہ ان کے سامنے کیا روجر فیڈر کی سروس کی سپیڈ ہوگی۔ لڑکے کی عمر؟ اس کا قد؟ تعلیم جتنی بھی ہو اسکی کمائی کتنی ہے؟۔ اپنے بارے میں خود ہی بتا دیتی ہوں۔ عمر میری تیس سال ہے۔ جرنلزم میں ماسٹر کی ڈگری لی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ فلم میکنگ بھی پڑھ رکھی ہے۔ مستقبل میں انشا اللہ ایک عدد فلم تو ضرور بنا سکتی ہوں۔ اسلام آباد میں ابو کا ایک فلیٹ ہے اسی میں اپنے بیٹے ابراہیم کے ساتھ رہتی ہوں۔ آپ لوگ یقیناً ابراہیم سے ملنا چاہتے ہونگے پر اس وقت وہ گھر پہ نہیں ہے انشا اللہ اگلی دفعہ ضرور ملاقات ہوگی۔"

امی نے ہزار اشارے کیے شبانہ بھابھی نے ٹوکنا چاہا مگر اسکی زبان کو نہ رکرنا تھا نہ رکی۔

"میری تو بہت اچھی جا ب ہے جو کبھی نہیں چھوڑ سکتی ہاں اگر میں آپکو پسند آجاتی ہوں تو مشکل تو ہوگی مگر میں آپکے بیٹے کو وہیں اپنے ساتھ ایڈجسٹ کر لوگی آخر وہ شوہر ہوگا اور دوسرا گھر داماد بھی۔"

اب مہمانوں کے کہنے کو بچا ہی کیا تھا بچاروں کی سٹی ہی گم ہو گئی۔ شرمندگی کے مارے اماں تو نظر نہ اٹھا پائی تھیں۔ "شانزے تمہیں اوپر والا پوچھے آخر تم میرے کن گناہوں کی سزا ہو"

"ایکسیکویزمی پلیز آپ لوگ تو کھانا شانا کھا کر ہی کہیں جائیں گے مگر میں اسوقت جلدی میں ہوں پھر کبھی ملیں گے خدا حافظ۔"

بھاگتے ہوئے وہ اک لمحے کو ابو کے قریب رکی انکے گلے میں بانہیں ڈال کر گال پر بوسہ لیا۔

"میں جا رہی ہوں اور امی کو آپ ہی سنبھالیں گے"

ابو نے تاسف سے سر جھٹکے ہوئے کہا۔ "As usual"

"وہ خود ایسے مواقع پیدا کرتی ہیں ابو میں کیا کروں"

”یعنی حد ہوگئی اُلٹا چور کو تو ال کو ڈانٹے۔“

ابو نے اسکے سر پہ ہاتھ پھراتو لمحہ بھر کو آنکھ میں نمی اتر آئی۔

گیٹ کے باہر فیصل انتظار میں تھا بمعہ اپنی کھٹارہ سزو کی۔ بیٹھنے سے پہلے اس نے پچھلی سیٹ پہ اپنے بیگ کی موجودگی کو یقینی بنایا۔ اور ہینڈ بیگ سنبھالتی فیصل کے برابر بیٹھتے ہی شور مچانے لگی۔

”چلو جلدی نکلو یہاں سے ورنہ میرے ساتھ ساتھ تم بھی مرو گے۔“

”تم سے امید بھی یہی ہے۔ خود تو جا کر دوسرے شہر مصروف ہو جاتی ہو میں بچا رہا یہاں طعنے سننے کو بیچ جاتا ہوں۔“ اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اک نظر شانزے پہ ڈالی۔ ”ویسے شانی قیامت والے دن اللہ و کیا منہ دکھاؤ گی ماں کا کتنا دل دکھاتی ہو۔“

”زیادہ مولوی صاحب بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اٹھا کر گاڑی سے باہر پھینک دو گی اور جلدی چلو فرحانہ بھابھی کہ میکے سے ابراہیم کو بھی لینا ہے۔ خمیٹ آدی بینک میں اتنی اچھی پوسٹ پہ قابض ہوئے بیٹھے مگر مجال ہے جو کبھی جیب میں گل گل کر ختم ہوتے پیسوں کو کہیں استعمال کرنے کی غلطی کر جاؤ کیا جہیز میں لیکر جاؤ گے سارا پیسہ؟“

”ہنہ چھوٹے لوگوں والی چھوٹی سوچ! او بی بی اپنی شادی کے لیے جمع کر رہا ہوں۔ شاندار شان و شوکت کے ساتھ ہوگی اپنی شادی کہ دنیا دیکھتی ہی رہ جائیگی۔“

”شیخ چلی مت چھوڑا کر بے پاؤں کی نیلے ہو جاؤ گے اک دن جھوٹ بول بول کر اور وہ جو تمہاری منگیتر ہے ناں حد درجہ کی بیوٹی کا نشیسی ہے۔ پلٹ کر شکل تک نہیں دیکھے گی۔“ ساتھ ہی بولی ”نہ جانے وہ کون سے ماں باپ ہیں دنیا میں جنکے بچے انکے تابعدار ہوتے ہیں، ایک میرا بیٹا ہے ماں کو پوچھنا تو درکنار بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا اور چل دیا منہ اٹھا کر۔“

فیصل کو اچھا موقع مل گیا تھا چڑانے کا اس لیے چمک کر بولا ”او بی بی اسکو مکافات عمل کہتے ہیں۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی اسلیئے جو تم میری معصوم خالہ کے ساتھ کرتی ہو وہ بھی نظر میں رکھو۔“

جواب میں شانزے نے بری طرح گھورا۔ ”میں نے کیا نافرمانی کی ہے کینے کہیں کے۔“

”شانزے جی سچی بات ہی ہمیشہ جا کر گولی کی طرح لگتی ہے۔“

اچھا تمہیں بڑی ہمدردی ہے میری اماں سے تو پھر کیا خیال ہے تم ہی کیوں نہیں پڑھوا لیتے مجھ سے نکاح اماں کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور تمہارا جزبہ حب الخالہ کو بھی دوام مل جائے گا۔

”ویسے آپس کی بات ہے میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ کیا؟“

کہ میں ہی خالہ کی ٹینشن ختم کر دیتا ہوں۔ چلو قربانی بہت بڑی سی مگر شہیدوں کا مرتبہ بھی تو دیکھو۔

ہاں، ہاں کیوں نہیں تو پھر کورٹ میرج کر رہے ہو یا رشتہ بھیج رہے ہو؟

اب تم خود سیانی ہو رشتہ بھیجو اگر میں نے مگتیر کے ہاتھوں گنجا تھوڑی ہونا ہے۔ اسلیے کورٹ میرج ہی ٹھیک رہے گی۔“

”آف کیا تھا جو اگر تمہارے پیٹ کی طرح تمہارا دل بھی بڑا ہوتا فوراً شادی کر لیتی پر اب نہیں کیونکہ ایک بزدل کے ساتھ میرا گزارا نہیں ہو سکتا۔“

ہاں جی تمہیں تو کوئی تیس مارخان ہی بیابنے آئے گا۔ آئی بڑی!

فرحانہ بھابھی کے گھر اندر جانے کا مطلب تھا کہ جہاز مس کر دو یقیناً امی کا فون ادھر آچکا ہوگا پھر فرحانہ بھابھی کیوں اپنی ساس کا بدلہ نہ لیں گی۔ اسی لیے اس نے باہر بیچے میں کھلتے ہوئے ابراہیم کو آواز دی چونکہ ابراہیم کو انفارم کیا اور فرار ہوئی۔ ابھی گاڑی تھوڑی ہی دور آئی ہوگی کہ موبائل بج اٹھا دوسری طرف حسب توقع فرحانہ ہی تھیں۔ پھر توجی جوں درس شروع ہوا ایرپورٹ آ گیا، چیک ان کے بعد سامان کلیئر کر دیا ایئر لائن کے بعد ویننگ ایریا، میں بیٹھے بھی آدھا گھنٹہ بیت گیا۔ موبائل کوکان سے لگائے رکھنے سے بازو اڑ گیا مگر دوسری جانب سے ہونے والی گولا باری نہ تھی۔ آخر اسکی ہمت نے جواب دینا ہی تھا۔

”بھابھی خدا کا نام لیں! سب کچھ یاد ہے مجھے؛ کچھ نہیں بھولی ہوں نہ اپنے میگز نہ اپنی تہذیب اور شرم و حیا ہی ہے جو مجھے لوگوں سے جھوٹ بولنے نہیں دیتی۔ میں شادی سے انکاری تھوڑی ہوں“ اس نے تھوڑا آٹھل سے کام لیا۔ آپ بس جو رشتہ ڈھونڈیں انہیں پہلے سے ہی میرے بارے میں سب کچھ بتادیں سب جان لینے کے بعد بھی کوئی آتا ہے تو کرونگی شادی۔ ساتھ ہی فون بند کر کے بیگ میں پٹخا۔ تو بہ ہے بھابھی تو امی سے بھی چار

ہاتھ آگے ہیں۔ چہرے پہ آئی لٹوں کو کوفت سے جھٹکا۔ اپنا رخ روشن ابراہیم کی جانب موڑا۔

”تم بتاؤ نہ ذرا کس کی اجازت سے ممانی کے ساتھ گئے تھے۔؟ لہجے میں سختی تھی۔

مئی میں بتاتا ہوں مگر پہلے آپ میری بات سن لیں۔

ماں کون ہے؟ میں یا تم؟

آپ ہی ہیں۔ ابراہیم نے جیسے سر پیٹ لیا۔

تو پھر پہلے میری بات کا جواب دو۔

مئی نانوں نے بھیجا تھا۔ ویسے ممانی آپ سے اچھی ہیں۔

ہاں ساری دنیا میں اک میں ہی بری ہستی پیدا ہوئی ہوں۔ مگر صاحبزادے میری ایک بات کان کھول کر سن

لو۔ اگر آج کے بعد تم میری اجازت کے بغیر یا مجھے بتائے بغیر کسی بھی نانی ممانی خالہ کے ساتھ کہیں گئے تو ہڈی

پسلی ایک کر دوں گی۔

ابراہیم کیلئے یہ دھمکیاں معمول کی بات تھیں۔ اگر آپ کی بات مکمل ہو چکی ہو تو کیا میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں؟

ہاں بھئی بولو۔

آپ اُن انکل کے پیپر ز پہ بیٹھی ہوئی ہیں۔

پہلے تو گردن گھا کر ابراہیم کے اُن انکل کے اشارے کی جانب دیکھا جہاں واقعی کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ پھر فوراً

سے بیشتر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ نظروں کے سامنے کالی سیاہی سے رنگے کچھ پیپر ز اور اُس بیچارے کا پاسپورٹ

تھا۔ مارے شرمندگی کے اور کچھ نہ سوچا تو پیپر ز اٹھا کر ابراہیم کو گھورا۔ پہلے کیوں نہیں بتایا؟

آپ سنئیں تب تھا ناں۔ ابراہیم ماں سے بھی زیادہ صاف گو تھا۔

پیپر ز کو ترتیب دیکر معذرت کے ساتھ موصوف کی طرف بڑھایا۔ مگر وہاں بھی عجیب عالم تھا۔ سامنے بیٹھی

ہستی۔ یقیناً اس بات سے بے خبر تھی کہ وہ اپنے ڈرائنگ روم کی بجائے اتر پورٹ پہ موجود ہے۔ پورے بیٹنج پہ

اُسکی چیزیں بکھری پڑیں تھیں۔ دو تین فائلز دس بارہ پیپر ز اور ایک کم سن سی بچی کو کمر پہ ہاتھ ڈال کر اپنی ایک

ٹانگ پہ بیٹھا رکھا تھا۔ بچی جو کہ سو رہی تھی بیچاری کا سر نیچے کو لڑھکا ہوا تھا۔ مگر اُس آدمی کی ساری توجہ سامنے کھلے

لیپ ٹاپ پہ تھی۔ ایک ہاتھ سے ٹائپنگ ہو رہی تھی۔ اب اتنی مصروفیت کے دوران شانزے کی طرف سر اٹھا کر دیکھنا بھی محال تھا۔ وہ اپنی ساری کوفت بھول کر منہ کھولے اُس آدمی کو دیکھ رہی تھی۔ میکا کی انداز میں پیپرز ابراہیم کی طرف بڑھائے اور خود آگے بڑھ کر اُس آدمی کی گود میں سے بچی کو اٹھا لیا جسکی عمر یہی دو ڈھائی سال کے قریب ہی ہوگی۔

”یہ کیا طریقہ ہے کسی بچے کو اٹھانے کا؟“

اوہ! تھینک یو!

موصوف نے ایک لمحے کو چونک کر نظر اٹھا، فریم کے پیچھے آنکھوں نے شانزے کو فوکس کیا اپنا اکڑا ہوا بازو دو تین بار زور زور سے جھٹکا لیپ ٹاپ گود میں رکھا اور لگا ادر گرد کو بھول کر ٹائپ کرنے۔ شانزے کے پاس اتنا ٹائم نہیں تھا کہ بیٹھ کر اُس نمونے کی حرکتوں پر حیران ہوتی کیونکہ بچی کو اٹھاتے ہی بڑی ناخوشگوار بدبو ناک سے نکل رہی تھی۔ اُف اللہ! کس قدر کوئی اجنبی انسان ہے بچی کو اتنی بڑی سزا دی ہے گندی ٹیپی سمیت ہی سو گئی بیچاری۔ ابراہیم انکی مسز کہاں ہیں؟

اُس نے تعجب سے کندھے اُچکائے۔ ”مجھے کیا علم۔ یہ ہی جانیں“

ایک لمحے کو سر اٹھا کر دیکھا اور ارشاد فرمایا۔ ”میرے ساتھ اس وقت اور کوئی نہیں ہے اگر آپ اسکی ٹیپی بدل سکتی ہیں تو برائے مہربانی بدل دیں یہ اسکا بیگ رکھا ہے“

شانزے نے حیرت سے اُسکی ہدایت سنی جو ارد گرد سے غافل ہو کر اپنے کام میں مصروف ہو چکا تھا۔

”آج کا دن ہی شانڈ میرا امتحان لینے کے لئے چڑھا ہے“

غصے سے بڑبڑاتی ہوئی بیگ اٹھا کر واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ بہن بھائیوں کے بچوں اور خاص کر ابراہیم کی پرورش کے دوران ان کاموں کی تو وہ ماہر ہو چکی تھی اس لیے آرام سے اپنا کام کیا۔ بچی بھی شانڈ گھڑ زیادہ ہی نیند کی پیاری تھی اتنا شور جھکے گھڑ بھی اُسے بیدار نہ کر سکے۔ وہ واپس آئی تو منظر بدل چکا تھا۔ ساری فائلز پیپرز لیپ ٹاپ ایک سیاہ بیگ میں بند ہو چکے تھے۔ اور وہ آدمی ابراہیم سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جیکٹ پہن رہا تھا۔ شانزے پہ نظر پڑتے ہی فرمانے لگا۔

کمال کرتی ہیں آپ بھی کیا پیٹی بدلنے میں اتنی دیر لگتی ہے۔ کب سے اناؤنٹمنٹ ہو رہی ہے، اور میں یہاں کھڑا آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔

شانزے کا تو دماغ ہی گھوم گیا۔ ایکسکیوزمی!

وہ اُسکو جواب دینے کی بجائے اُسکے چہرے کو غور سے پڑھنے لگا۔ پھر ایک نظر فرما کر ابراہیم پہ ڈالی جو اپنی گیم میں گم ہو چکا تھا۔ شانزے کے ہاتھ سے بیگ لیکر اپنے ایک کندھے پہ رکھا دوسرا بیگ دوسرے پہ۔

”مجھے لگتا ہے میں نے پہلے بھی آپکو کہیں دیکھا ہوا ہے۔“

”ہاں دیکھا ہوا ہے ناں ابھی تھوڑی دیر پہلی میں ہی آپکی بیٹی کو یہاں سے لیکر گئی تھی۔“

شانزے کے طنز کو وہ خاطر میں لیے بغیر ابراہیم کی طرف اشارہ کرتا پوچھنے لگا۔ ”کیا یہ آپکا بیٹا ہے؟“

”جی الحمد للہ میرا ہی بیٹا ہے اور یہ پکڑیں اپنی بیٹی۔“

سامنے والے نے پچی کو اٹھا کر گال پہ پیار کرتے ہوئے اپنے کندھے سے لگا لیا۔ ساتھ ہی بولے۔ ”آپکی مدد کا بہت شکریہ۔ ویسے آپکے بیٹے کی شکل میری ایک عزیز از جان ہستی سے مل رہی ہے۔ ذرا غور کریں کیا آپکو نہیں لگتا کہ آپکے بیٹے کی ناک میری ناک سے ملتی ہے؟“

شانزے کا دماغ بھک سے اڑا۔

”بیچھے مروتم ذلیل انسان“ وہ اُسے گھورتی ہوئی ابراہیم اور اُس آدمی کے درمیان کھڑی ہوگی۔ ”سچی بات تو یہ ہے کہ تم مجھے پہلی نظر میں ہی پاگل معلوم ہوئے تھے۔“

”ہاں ہو سکتا ہے، بہر حال ایک دفعہ پھر بہت شکر یہ اللہ، حافظ“

مزید کچھ بھی کہے بغیر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے ہٹ گیا۔ اُن لوگوں کی مطلوبہ پرواز کا بھی اناؤنٹس کیا جا رہا تھا ماں بیٹا اپنی منزل کو روانہ ہوئے۔

☆.....☆.....☆

لاہور سے واپسی کے بعد سے اُس نے خود امی کو رابطہ کرنے کوشش بھی نہیں کی بس بھابھی اور ابو وغیرہ سے بات کرتے ہی فون بند کر دیتی اور بھئی ضرورت ہی کیا تھی یہ کہنے کی کہ آئیل مجھے مار۔ پر اُس وقت اُسے حیرت



ہوئی جب اس کے ساتھ ناراضگی ہونے کے باوجود اماں نے خود ہی رابطہ کر لیا۔ اُس دن وہ ابراہیم کی پینٹس نائٹ سے ہو کر آئی تھی اور رپورٹ اچھی ملنے کی وجہ سے موڈ بھی خوشگوار تھا۔ اماں کی آواز سننے ہی اُن کو بھرپور مکھن لگانے کا پروگرام بنا چکی تھی۔

اسلام علیکم اماں کیسی ہیں آپ؟ اچھا کیا آپ نے اب مجھے معاف کر دیا۔ سچی میں بہت مشکل ہے آپ کے ساتھ بات کیے بغیر اتنے دن گزارنا۔

وعلیکم السلام۔ ابھی تک تو زندہ ہی ہوں ورنہ تم نے کسرتو چھوڑی نہیں مجھے ذلیل کر کے خود کشی پہ مجبور کرنے میں۔

ہائے اللہ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ مر میں آپ کے دشمن اماں پلیز غصہ تھوک دیں ناں۔ میں تھوڑا شادی سے انکاری ہوں بس لے آئیں کوئی بندے کا پتھر پھرا اگر کچھ کہوں تو نام بدل دینا۔ اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے اس نے شیخی بھگاری۔ دوسری طرف تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی۔

یہ بات ہے؟

اماں نے پوچھا تو وہ فٹ سے بولی۔ تو اور کیا!! اب بتائیں سب ٹھیک ہیں؟

ہاں کرم ہے اللہ کا ٹھیک ٹھاک ہیں۔ مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔ جی جی کیسے میں سن رہی ہوں۔

شانزے تمہارے ابو کے دوست نے اپنے بیٹے کے لئے تمہارا ہاتھ مانگا ہے۔

شانزے نے اپنا سر پیٹ لیا۔ یعنی حد ہی ہو گئی اماں آپ پھر شروع ہو گئی ہیں میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں خدا کے لیے یہ ٹاپک چھوڑ دیں۔

میں یہ ٹاپک اس لیے نہیں چھوڑ سکتی شانی کیونکہ میں تمہاری ماں ہوں۔ مجھے تمہاری کمائی کھانے کا کوئی شوق ہے اور نہ ہی گدھوں کی طرح کام کام کام کی مشق میں جتے رہنا پسند ہے۔ بس تمہیں تمہارے گھر میں ہنستا ہنستا دیکھنا چاہتی ہوں۔ اور اب تم مزید کوئی بکو اس کئے بغیر میری پوری بات سنو گی۔ تمہاری شروع سے یہی رٹ رہی ہے، ناں کہ شادی کر لو گی مگر اپنی شرطوں پہ تو وہی بتانے کے لئے تمہیں فون کیا ہے۔

تمہارے ابو اُس فیملی کو بڑی اچھی طرح جانتے ہیں۔ اچھے کھاتے پیتے شریف لوگ ہیں۔ انہوں نے رشتہ بھیجا تو تمہارے ابو اور بھائیوں نے پوری چھان بین کی اور پھر خود لڑکے سے بات کر کے تمہارے ابو نے تمہاری ساری شرطیں بتا دیں۔ اب یہ تمہاری خوش بختی ہی ہے شانی کہ اُسے تمہاری ساری شرطیں منظور ہیں۔ ہارون سُلجھا ہوا اور میچور لڑکا ہے۔ تمہارے لئے اُس سے بہتر انتخاب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اماں بولتی جا رہی تھیں اور حیرت کہ مارے اُس کی زبان سلب پڑی تھی دل کسی گہری کھائی میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوا۔ اماں مزید اس رشتے کے فوائد پہ دل و جان سے روشنی ڈالنے میں مصروف تھیں۔

"نہ اسے ابراہیم کو ساتھ رکھنے پر اعتراض ہے۔ نہ تمہاری جا بپہ نہ اکیلے رہنے پہ۔ اور سب سے اہم اسکو تمہاری سابقہ ڈائیورس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اتنا اچھا رشتہ تو اللہ کی جانب سے کوئی خاص انعام ہی ہے۔ اس لیے ہم نے اُن لوگوں کو بغیر کوئی وقت ضائع کئے بغیر ہاں میں جواب بھیجو دیا ہے۔

اُس نے رسیور پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے ہاتھ کی کپکپاہٹ کو کم کرنا چاہا۔

مگنی وگنی کے چکر میں پڑنے کی بجائے ہم سب نے فیصلہ کیا ہے کہ سیدھا نکاح ہی کرنا چاہیے۔ (وہ تو آپ نے پہلے بھی پڑھوایا تھا۔ جو آپ کی ہر بات بنا چوں چرا کیے مان گیا ہے اسکی خامیاں بھی تو دیکھ لینی تھیں۔) تم بس اب گھر آ جاؤ چھٹی لے لو یا نوکری چھوڑ کر آ جاؤ۔ شادی کے بعد پھر دیکھ لینا۔ سامان وغیرہ تو پہلے ہی تیار پڑا ہے۔ بس کپڑے زیور وغیرہ لینا پڑے گا۔ وہ بھی جب پیسہ جیب میں ہو تو سب کچھ آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے دو ہفتے بعد کی تاریخ فائل کر دی ہے۔ (سارا کچھ فائل کر لیا اور اسکو اب بتا رہی ہیں جس نے بھگتنا ہے،) تم بس فوراً گھر آ جاؤ اور ہاں ایک اور بات "ہارون کی ایک ڈھائی سال کی بیٹی ہے۔ میرا نہیں خیال کہ تمہیں اس پہ کوئی اعتراض ہوگا؟ ہونا بھی نہیں چاہیے۔ وہ مرد ہو کر تمہارے بیٹے کو قبول کر رہا ہے۔ تمہیں تو ویسے بھی بچے بہت پسند ہیں۔

اُس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ فون بند کر دیا۔ کارڈ لیس ہاتھوں میں تھا۔ ساکت سی اپنی جگہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ آخر یہ سب ہو کیسے گیا۔ اور اتنی جلدی؟ اُس نے تو شرطیں رکھیں ہی اس لیے تھیں کہ کون مائی کالال کسی اور مرد کے بچے کو اپنے بچے سا پیارا اور تحفظ دے سکتا ہے، وہ بھی پاکستان کے معاشرے میں تو ناممکن۔ اسی

لیے وہ اپنے حال میں مگن تھی۔ شادی کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے سوچا تھا نہ تھا۔ یہی خیال تھا کہ اماں آخر کب تک رشتے ڈھونڈتی رہیں گی۔ تنگ آ کر خود ہی یہ سلسلہ ترک کر دیں گی۔ مگر یہ کیا ہو گیا۔ یہ تو اُمید ہی نہ تھی کہ وہ ایسا وار بھی کر سکتی ہیں۔ اور یہ فضول لوگ کیسے ہیں کہ لڑکی سے ملے بغیر ہی شادی پکی کر دی۔ کچھ دیر پہلے کا خوشگوار موڈ سب غارت ہو چکا تھا۔ جانتے ہیں، ناں سب کہ چاہے جتنی بھی بولڈ ہوں مگر باپ کی عزت پہ حرف نہیں آنے دو گی۔ باپ کی نظریں نہیں اُٹھ کا سلو گی۔ تبھی مجھے ایسے بے علم رکھ کر وار کیا ہے۔

ابراہیم اپنے کمرے سے باہر آیا تو اُسے روتا دیکھ کر تشویش سے فوراً اُسکے پاس آیا۔ مچی سب ٹھیک ہے ناں؟ آپ رو کیوں رہی ہیں۔؟

اُس نے چونک کر ابراہیم کی جانب دیکھا جو اُسکے سامنے کارپٹ پہ دوڑا نو بیٹھا پوچھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر اُسکو دیکھتی رہی پھر اُسکی پیشانی پہ بوسہ دیکر تیزی سے اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

ارے اٹکو کیا ہوا؟ اُس نے فون اُٹھا کر نا نا کا نمبر ڈائل کیا۔ نا نا؟

وسلام بیٹے مچی ٹھیک ہیں؟

نہیں اسی لیے تو فون کیا۔

کچھ نہیں ہوا بیٹے جانتے تو ہو کتنی جذباتی سی ہے۔ تم اپنی تیاری کرو تمہارے عادل ماموں تم دونوں کو لینے آرہے ہیں۔

نا نا عام طور پہ تو میں اور مچی خود ہی چلے جاتے ہیں پھر اس دفعہ کیا وجہ ہے کہ ماموں خود لینے آئیں گے؟

بس بیٹے جب تم آ جاؤ گے تو بہت اچھا سا اک سر پرانز دوں گا۔

اچھا نا نا جی جیسے آپکی مرضی مگر پلیز می کو کال ضرور کر لیجیے گا۔ مجھ سے اُنکی اُداسی نہیں دیکھی جائے گی۔ ویسے آپس کی بات ہے کہیں پھر سے نا نا جی نے کوئی رشتہ تو نہیں ڈھونڈ لیا؟

دوسری طرف شفقت صاحب دل کھول تہقہہ گا کر ہنستے تھے۔ بس سمجھو اس دفعہ مچی بولڈ آؤٹ ہو گئی ہیں۔ نا نا نے اگلے پچھلے سب حساب بے باک کر دیئے۔

سچ کہہ رہے ہیں؟

سو فیصد بیٹاجی!

یہ ناممکن ہے نانا۔ می کو نانو نے اتنی آسانی سے کیسے آؤٹ کر دیا۔  
”اس دفعہ ہگوئی ابی ڈیئر تم ماسی سے بولو تمہارا اور می کا سامان باندھ دیں۔ لمبی ہتھٹی ہے۔  
سپر! ابھی بولتا ہوں۔ ماموں کب تک آئیں گے؟  
کل آئیگا۔  
او کے نانا سی یو خدا حافظ ابی۔“

☆.....☆.....☆

دوسرے دن رات کو وہ لوگ لاہور پہنچے۔ گھر کا تو ماحول ہی بدل گیا تھا۔ بڑی دونوں باجیاں اسکی آمد سے پہلے ہی آچکی تھیں۔ تینوں بھابھیوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور اماں کے تو خوشی سے پاؤں زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے۔ مذاق، مبارکبادی، تعجب، ڈھولک گانے سبھی کچھ اُس کے لیے بہت اچانک تھا۔  
اگر مجھے علم ہوتا ناں کہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے جان ہتھوٹ جانے کی آپ لوگوں کو اتنی خوشی ہونے والی تھی تو یقین مانیے کسی بھی ایرے غیرے کی گردن پہ چھری مار کر کب کی آپکی خوشی کا سامان کر چکی ہوتی۔  
”پر شانی یہ خوش نصیبی تو ہارون کہ حصے میں لکھی جا چکی تھی کوئی ایسا غیر کہاں سے آتا۔“ باجی نے اُس کے پھولے ہوئے چہرے پہ پیار کیا۔

بڑی بھابھی بھی اسکی معلومات بڑھانے لگیں۔ ویسے شانی بندہ ہے دل گردے والا۔ بذاتِ خود آکر ادھر ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر ابو کے ساتھ سارے معاملات طے کر کے گیا تھا۔  
وہ جو پہلے ہی جلی بھنی بیٹھی تھی مزید تپ کر کہا۔ میری طرف سے بھاڑ میں جائے نہ جانے منحوس کہاں سے ٹپک پڑا۔

سوچ سمجھ کر بولو کیا بول رہی ہو اب تو تم نے بھی اُس کے ساتھ ہی جانا ہے جہاں وہ جائے گا۔ بھابھی نے یاد کروایا تو وہ بے بسی سے انہیں گھور کر رہ گئی۔

جبکہ باقی ساری عوام کے تعجب بلند ہوئے اب آیا ناں اونٹ پہاڑ کے نیچے!

خوش تو سبھی تھے۔ مگر جو روشنی اماں کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ نہ جانے کیوں پر وہ اُس خوشی کے ابدی ہونے کی ذمہ دار کرنے سے خود کو روک نہ پائی۔ کیونکہ وہ اتنی پیاری لگ رہی تھیں کہ وہ ساری ناراضگی وغصہ بھلائے ان کے گلے لگ گئی۔

اتنا کم وقت ہونے کے باوجود سارے انتظامات بغیر کسی دشواری کے مکمل ہوتے چلے گئے۔ باقی تو سب ٹھیک تھا مگر ایک بات اُسے مسلسل حیران کر رہی تھی اور وہ یہ کہ ہارون کی فیملی سے کوئی بھی اس سے ملنے کی نیت سے ایک دفعہ بھی نہیں آیا تھا۔ آخر ایسا کیوں؟۔ جب نہ رہ پائی جا کر براہ راست اماں سے ہی پوچھ لیا۔

”اماں یہ جو لوگ آپ کی بیٹی کو بیاہ کر لے جانے والے ہیں کیا انکو مجھ سے اتنی بھی غرض نہیں کہ آکر ایک دفعہ یہ ہی دیکھ جاتے کہ لڑکی کی آنکھیں بھینگی وینگی تو نہیں۔“

ارے بات کچی ہونے سے پہلے اتنے سارے چکر لگا چکے ہیں بیچارے اور اب دن ہی کتنے ہیں تیاری کریں کہ ادھر کے گیڑے لگائیں۔ ویسے بھی گھر میں افراد ہی کتنے ہیں۔ ابا تو اسکے بیچارے ہیں ہی معزور۔ بہنیں اپنے گھروں والی ہیں ایک بھابھی رہ جاتی ہے، وہی سب تیاری کر رہی ہے۔ (چلو قصہ ہی ختم)

اُس دن ایک تو جو تے خریدنے تھے اور وہاں سے پھر پارلر جانا تھا۔ گاڑی وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی جب پارلر سے کچھ دور ہی اُس نے اچانک گاڑی روک دی۔ اور تیزی سے گردن موڑ کر پاس سے گزرتی کار کو غور سے دیکھنے لگی۔

یہاں کیوں رک گئیں؟

آپا آپ نے دیکھا اُس گاڑی میں ابراہیم تھا۔

ابراہیم ابو کے ساتھ ہوگا۔ یہاں کہاں۔ ایویں تمہیں شک ہوا ہوگا۔

آپا اور بھابھی کی بات پہ کان دھرنے کی بجائے اس نے بیگ سے فون برآمد کرتے ہی ابوکا نمبر ملایا۔ ابو جی کیا ابراہیم آپ کے ساتھ ہے؟ ہاں ادھر ہی ہے کیوں؟

آپ میری اُس سے بات کروادیں پلیز۔

کیا بچوں والی باتیں کر رہی ہو شانی میں ادھر مصروف ہوں اور تم بھی جس کام سے نکلی ہوئی ہو دھیان سے

مکمل کر کے گھر آؤ۔ ابراہیم ادھر ہی ہے۔ اپنی بات پوری کر کے انہوں نے کال کاٹ دی۔

آئی ڈونٹ بلیو ابونے میرا فون بند کر دیا۔ حیرت ہی حیرت تھی۔

تم بھی تو ایویں سی بات کا ایٹو بنا لیتی ہو۔

"کمال کرتی ہیں آپا! میں نے ابراہیم کو کسی غیر آدمی کی گاڑی میں جاتے دیکھا ہے۔ آپکے خیال میں یہ

ایویں سی بات ہے؟

وہ کسی غیر کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ ہارون کے ساتھ تھا۔ آپا جذباتی پن میں راز کھول گئیں۔ اور شانزے

دھک سے رہ گئی۔

ابراہیم ہارون کے ساتھ کیوں ہے؟ وہ کہاں سے اجنبی نہیں ہے؟ کس کی مرضی سے وہ اُس آدمی کے ساتھ

گیا تھا؟

شانی ہارون کوئی غیر تو نہیں ہے دو دن بعد اُسی کے ساتھ تمہاری شادی ہے۔

"ہو رہی ہے شادی آپا ابھی ہوئی نہیں!

**Now this is too much to bear**

ایک تو آپ لوگوں نے اٹھا کر آنا فنا رشتہ طے کر دیا ہے۔ شادی رکھ دی اب مجھے خبر بھی نہیں اور وہ آدمی

میرے بچے کو ساتھ لیے گھوم رہا ہے۔ کوئی حد ہوتی ہے آپا برداشت کی۔ میں جانتی تک نہیں ہوں کہ وہ آدمی کیسا

ہے؟ کیا خبر کوئی قاتل ہے غنڈہ ہے میں اسکے بارے میں کچھ نہیں جانتی صرف آپ لوگوں کی خواہش اور خوشی کی

خاطر خاموش ہوں تو پلیز اسکا ناز فائدہ نہ اٹھائیں۔

"تو بے شانی تم نے تو کھڑے کھڑے ہارون کو غنڈہ موالی نہ جانے کیا کیا بنا ڈالا۔ تمہاری اطلاع کے

لئے بتادوں کہ وہ بہت ہی قابل بھروسہ انسان ہے"

"ہاں وہ تو میں دیکھ ہی رہی ہوں۔" جل کر کہنے کے ساتھ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے گھر کی راہ لی۔ پچھلی

سیٹ پہ موجود بھابھی نے جب گاڑی مطلوبہ منزل کی بجائے مخالف سمت میں جاتی دیکھی تو بولنا ضروری جانا۔

"اب کیا غضب کر رہی ہو آج کا ٹائم دیا ہوا ہے شیڈ زوالی نے تمہارا فیشنل وغیرہ کرے گی"

جواب میں وہ موڑ کاٹتے ہوئے پھاڑ کھانے کو دوڑی تھی۔ بھاڑ میں گیا فیشل آپ فوراً سے پہلے اُس اپنے باعتبار کباچے کو فون کریں کہ ابھی کے ابھی میرے بیٹے کو گھر پہ چھوڑ کر جائے نہیں تو میں یہ شادی کا پروگرام بھی بھاڑ میں پھینک دوں گی۔“ ایک جھٹکے سے گاڑی گھر کے سامنے روک کر بی بی شانزے بہن اور بھابھی کو ارے کرے کرتا چھوڑ کر یہ جاوہ جا۔

☆.....☆.....☆

”برداشت ایک آنے کی نہیں ہے تمہارے اندر میں کہتا ہوں خالہ آخر یہ کیسے نبھاہ کر گی نندوں اور ساس کے ساتھ؟“ وہ پھولے منہ کے ساتھ باغیچے میں چکر پہ چکر کاٹے چلی جا رہی تھی وہیں کرسیوں میں ایک پہ اماں ایک پہ ابو اور تیسری پہ فیصل بیٹھا کیونہ کیونہ کھائے جا رہا تھا۔

”جتنی تیزی سے ہاتھ اور منہ چل رہے ہیں ناں تمہارے کوئی اندھا بھی دیکھ کر سمجھ جائے کہ مفت کے مال پہ ہاتھ صاف کرنے کے نادر موقع سے فائدہ اٹھا رہے ہو۔“

شانزے کی بات پہ فیصل نے ہاتھ اٹھا کر اُسکا لوگ مارچ ایک لمحے کوڑ کوا یا۔ ”شانی اللہ سچا جانتا ہے کہ جب سے مجھے خالہ نے یہ کہہ کر کینو پیش کیے کہ کھاؤ بیٹا شانی کے سُسرال سے آئے ہیں یقین جانو ہاتھ رک ہی نہیں رہے ہیں نہ ہی نیت بھر رہی ہے۔“

”پھر تو ایسا کرو کہ پھٹ جانا پر ہاتھ نہ روکنا کیونکہ ہو سکتا ہے آج کے بعد نہ یہ سُسرال رہنی ہے نہ کینو آنے ہیں۔“

”شانزے اپنی زبان کو لگام دو جو منہ میں آتا ہے بکے جاتی ہو۔“ اماں نے بری طرح لتاڑا تھا۔

”تو پتا کروائیں نا آخر وہ آدمی ابراہیم کو لیکر ابھی تک آیا کیوں نہیں میری یہاں جان چہ بنی ہوئی ہے۔ اور آپ لوگوں میں سے کسی کے سر پہ جوں تک نہیں ریگ رہی۔ بہت ہو گیا ابوبس آپ فوراً مجھے اُس ہارون نامی آدمی کے گھر کا پتہ دیں۔ میں خود جا کر اُسے لے آتی ہوں۔ چلو فیصل اٹھ کر گاڑی نکالو۔“ اُس نے ہاتھ میں پکڑی گاڑی کی چابی فیصل کی جانب اچھالی۔ جسے کچھ کرتے ہوئے اُس نے فوراً خالہ کی گود میں ڈال دیا۔

”نہ بابا میں کینو چھوڑ کر جانے کا رسک نہیں لے سکتا واپسی تک ختم ہو گئے تو پھر؟“

”آف لاپچی موٹے بندر تمہارا کچھ نہیں بن سکتا۔“ وہ اُس سے مایوس ہو کر اب واپس ابو کی طرف آئی۔“  
 ابو جی پلیز چلیں ناں میرے ساتھ!“

شانزے یہ کیا تم نے بچوں والی ضد لگا رکھی ہے۔ ابھی تمہارے سامنے میری بات ہوئی ہے وہ بچہ کہہ رہا ہے  
 کہ کچھ دیر تک پہنچ جائے گا تو پھر کیا مسئلہ ہے؟

میرا مسئلہ یہ ہے ابو جی کہ ابراہیم اُس آدمی کے ساتھ کیوں بھیجا گیا؟

یہ کوئی اتنا مشکل سوال نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکے بھی اُسان سی بات ہے ہارون شادی سے قبل کچھ وقت  
 ابراہیم کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔“

حالانکہ ابو اُسکی شادی مجھ سے طے پائی ہے اور کسی نے میری شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کیا۔

”لو جی کھو دا پہاڑ اور نکلا چو ہا تو سیدھی طرح بولو نہ کہ تم بھی ہارون کے ساتھ ڈنر پہ جانا چاہتی تھی۔ ایوں تب  
 سے ابراہیم ابراہیم لگا رکھی ہے۔ خالو لگائیں ہارون کو فون کے اس پیجاری کو بھی لے جائے نہیں تو یہ یہاں پر جل  
 جل کر کالی ہو جائے گی۔“

”میری جوتی جاتی ہے کسی کے ساتھ ڈنر پہ۔“ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ فیصل کو کچا چبا جاتی۔

”واہ بھی بڑی ایڈوانس جوتی ہے۔“

وہیں کھڑے اُس نے اپنے پاؤں سے جوتا اتارا اور رکھ کر فیصل کو نشانہ مارا۔ ”خبیث انسان میری یہاں  
 جان پہ بنی ہے اور تمہیں ٹھٹھے سو جھ رہے ہیں۔“

پاؤں پختی وہاں سے چلی گئی۔ رات کا کھانا بھی احتجاجاً گول کر دیا اُس پہ بھی انتہا یہ ہوئی کہ کسی نے ایک  
 دفعہ بھی آکر پوچھنا گوارا نہ کیا کہ آخر کھانے سے کیا غصہ؟ جلی بھنی بیٹھی تھی۔ جب موبائل پہ آنے والی کال  
 نے توجہ کھینچی۔ نمبر کوئی انجانا ہی تھا اس لیے لٹھ مارا انداز میں اٹھایا۔

”ہیلو؟“ دوسری طرف ٹریفک کے شور کے علاوہ کسی انسان کی آواز نہ ابھری۔ کچھ لمحے انتظار کے بعد وہ

پوری طرح گرج کر بولی۔ ”بھئی بتانا ہے کہ یہ نمبر کس خوشی میں ملایا تھا یا لائن کاٹ دوں؟

”اطلاع کے مطابق تم کافی غصے میں لگ رہی ہو۔“ دوسری جانب سے آنے والی بھاری مردانہ آواز کو



پچھاننے کی کوشش تو کی مگر بے سود۔

”اچھا کس ٹی وی چینل والوں کو اعزاز ملا یہ بریکنگ نیوز سب سے پہلے نشر کرنے کا؟ اور آپ حضور اپنا تعارف بھی کروادیں تو مہربانی ہوگی۔“

”یہ سوال مجھ سے دودن بعد پوچھنا گردن اکڑا کر جواب دوں گا کہ میں تمہارا شوہر بات کر رہا ہوں۔ اس وقت کوئی تعارف دینے کی نیت سے نہیں کیا فون صرف یہ عرض کرنے کو کیا ہے کہ میں معذرت چاہتا ہوں کہ تمہارے بیٹے کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ میں اس بات سے واقف نہیں تھا کہ ابراہیم کو تمہاری فیملی تمہارے علم میں لائے بغیر میرے ساتھ بھیجتی رہی ہے۔ مجھے یہ ہی خوش فہمی رہی کہ تمہاری اجازت سے ہی آتا ہوگا۔“

اُس کا جی تو چاہ رہا تھا کھری کھری سننے کو مگر ماں کا ہنستا مسکراتا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ مجبوراً بولی۔

”ایسی تو کوئی بات نہیں۔“

”کیا مطلب کیا تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟“

”خیر یہ بھی میں نے نہیں کہا، جس انسان کو میں جانتی تک نہیں اپنے بیٹے کو اس کے ساتھ مر کے بھی کہیں نہ جانے دوں۔“

اچھی بات ہے میں سمجھ سکتا ہوں مگر میرے لئے ضروری تھا یا نہیں پر ابراہیم کے لئے بہت زیادہ ضروری تھا کہ وہ ہماری شادی سے پہلے مجھ سے مل کر مجھے کچھ جان لیتا کیونکہ اچانک سے اتنی بڑی تبدیلی ایک بچہ بعض اوقات ذہنی طور پر قبول نہیں کر پاتا تو سوچو ہمارے لئے کس قدر مسئلہ ہوتا۔ مگر میں یہ بات ضرور کہوں گا، کہ ابراہیم بہت سلجھا ہوا برائٹ بچہ ہے۔ اپنی عمر کے بچوں کے مقابلے میں زیادہ میچور سوچ کا مالک ہے۔ مجھے اُس سے مل کر حقیقی خوشی ملی ہے۔ سو پلیز اب تم آنٹی لوگوں پہ مزید غصہ نہ کرنا۔“

شانزے بس خود پہ ضبط کر گئی، وہ مزید کہنے لگا۔

”تمہاری طرف سے مجھے ایک دوا اور بھی سوال موصول ہوئے ہیں۔ (بھلا کب؟) تمہارا گلہ اپنی جگہ بالکل جائز ہے کہ میری فیملی سے کوئی بھی تمہیں ملنے کیوں نہیں آیا۔ تو لگے ہاتھوں اس کا جواب بھی سن لو جو سٹر ادھر ہے اُسے آج کل سفر کی اجازت نہیں دوںوں ملک سے باہر ہیں عین ٹائم پہ پہنچ رہی ہیں۔ ادھر بھا بھی ہیں تو وہ

آج کل بازار کے چکر لگا لگا کر گھن چکر بنی ہوئی ہیں پیچھے بچے بابا اور میں اور بابا تو کہیں اتنا آتے جاتے نہیں ہیں (ہاں ہونے والی بہو کو ملنا دنیا کا غیر اہم ترین کام ہے اور وہ ایسا کیوں کریں۔) اب رہ گیا میں تو اس وقت تمہارے گھر کے قریب ہی موجود ہوں اگر تمہارا حکم ہو تو اپنے دس ضروری کام چھوڑ کر سر کے بل حاضر ہو جاتا ہوں۔“ (ہاں ہاں کیوں نہیں مری جا رہی ہوں نا تم سے ملنے کو ایک تو میری عجوبہ فیملی کیا کروں میں انکا ایویں پکڑ کر ذلیل کروا دیا اب کیا ضرورت تھی اُس کو یہ سب بتانے کی) کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے کال کاٹ دی۔

پر دل مطمئن نہ تھا۔ بھلا ایسی ہوتی ہیں شادیاں؟ خیر ان لوگوں کو بس مجھے رخصت کرنے کی جلدی ہے بعد میں جو مرضی ہو۔ غصے میں بدگمانی عروج پہ پہنچی ہوئی تھی پر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ شادی کے سب انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ اتنا کم وقت ہونے کے باوجود سب کچھ احسن طریقے سے انجام پا گیا۔ شانزے شفقت نے اپنا آپ ہارون کے نام لکھ دیا۔ نکاح نامہ پہ دستخط کرنے سے پہلے اس نے ہر وہم کو دل و ذہن سے نکال کر پورے خلوص کے ساتھ یہ نیا تعلق جوڑا تھا۔ یہ سوچ کر کہ کیا پتا اللہ نے اس آدمی کو خاص میرے لئے بنایا ہو۔ مگر رخصتی کے وقت پھر دھچکا لگا جب بھابھی نے اُسے لہنگا بدل کر کوئی ہلکا سا جوڑا پہن لینے کو کہا جس پہ فوراً سوال اٹھایا

”ایسا کیوں؟“

آپ آرام سے بولیں۔ کراچی تک کیا یوں بھاری لہنگے کے ساتھ سفر کروگی۔“

”مگر کراچی کیوں جانا ہے؟“

”ایک تو شانی تمہارے سوال کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ بھئی ہارون کا تعلق جب کراچی سے ہے تو جائے گا بھی

اُدھر ہی ناں۔ چلو جلدی سے اب لباس بدل لو سب لوگ گاڑیوں میں بیٹھ رہے ہیں ائیر پورٹ جانا ہے۔“

پھر تو کراچی آنے تک اُس کا ذہن اس نئے اچانک ہونے والے انکشاف پر ہی اُدھیڑ بن میں پڑا رہا۔ سارا راستہ ساتھ بیٹھی خاتون جو کہ خود کو ہارون کی خالہ بتا رہی تھیں۔ وہ ہی بولتی آئی تھیں شانزے بس ہو ہاں میں سر ہلاتی رہی۔ ساری فیملی ائر پورٹ تک سی آف کرنے آئی تھی۔ یہ جان کر بھی دل کو سکون تھا کہ ابراہیم بھی کراچی جا رہا تھا۔ اس دوران سب ہی نظر آئے تھے سوائے اُس کے جس کا نام ہارون تھا۔ اور اب وہ واقعی گردن اگڑا کر خود کو اُس کا شوہر بولنے کی پوزیشن میں آچکا تھا۔ کراچی ائر پورٹ سے گاڑی انہیں لیکر بخت ولا آئی تھی۔ جو کہ پورے

جو بن کے ساتھ روشنیوں میں گھر اہوا تھا۔

بہت سی گاڑیاں آگے پیچھے آکر وہاں رکی تھیں۔ انہی میں ایک سے وہ برآمد ہوا تھا۔ ڈارک سلور گرے ڈنر سوٹ دراز قامت روشن چہرے پہ فتح مندی کی کھلتی مسکراہٹ جو کہ اُسکی خوبصورت شخصیت کو مزید چار چاند لگا رہی تھی۔ آج وہ حقیقی طور پہ خوش تھا۔ آخر اتنا بڑا بلکہ ناممکن نظر آتا محاذ اتنی آسانی سے مار لیا تھا۔ شانزے کی گاڑی سیدھی پورچ میں رکی تھی۔ اُسکے استقبال کو ہارون کی بہنیں اور بھابھی پھولوں کے ہار لئے پہلے سے وہاں موجود تھیں۔ جن کو پہچانتے ہی شانزے لڑکھرائی۔ اُس لڑکھڑاہٹ کا نوٹس اور کسی نے لیا ہوا یا نہ پر ہارون نے ضرور دیکھا تھا۔ کیونکہ وہ بالکل اُسکی پشت پہ کھڑا تھا۔ شانزے یہ بھی بھول گئی کہ آج اس گھڑی وہ نئی نویلی دلہن ہے۔ اور دلہنیں یوں آنکھیں پھاڑ منہ کھولے سب کو نہیں دیکھتی ہیں۔ اُس نے لہنگا تو اتار دیا تھا۔ مگر جو فراک پہنا تھا وہ بھی کام والا ہی تھا گہرے سبز رنگ میں اُسکی گلابی رنگت دمک رہی تھی۔ رہی سہی کسر اندر اُپلتے غصے نے ایکسٹرا بلش آن لگا کر پوری کر دی تھی۔ سبھی خواتین نے باری باری اُسے ساتھ لگا کر پیار کیا۔ مگر شانزے کے ہاتھ پہلو میں ہی گرے رہے۔ کسی قسم کا کوئی خوش گُن رد عمل ظاہر نہ کر پائی دوسری جانب شائد کوئی منتظر بھی نہ تھا۔ اسلئے ڈھیروں پھولوں کی پتیوں کی چھاؤں میں اُسے اُسکے کمرے تک پہنچایا گیا۔

کوئی بھی رسم کرنے سے ہارون نے خود ہی منع کر دیا تھا یہ سوچ کر کہ اگر وہ مہمانوں کے سامنے ہی چھٹ پڑی تو پھر؟ حقیقت بھی یہ تھی اسکا ذہن پوری طرح ماؤف تھا۔ اتنا بڑا دھوکہ؟ اتنی بڑی دعا بازی؟ اتنا بڑا جھوٹ آخر کیوں؟ اب ذہن میں اٹھنے والے ہر سوال کا جواب مل گیا تھا۔ سبھی اُلجھنیں حل ہو گئی تھی۔ اُس کے اندر آگ لگی ہوئی تھی، جی چاہ رہا تھا ہر چیز ہنس نہس کر دے۔ ساری روشنیاں گل کر کے اُن لوگوں کے منہ نوچ لے بیچ بازار میں کھڑا کر کے انکی اگلی پچھلی ساری نسلوں کو گالیاں دے۔ آخر کیا سمجھ کر یہ کھیل کھیلایا گیا؟

مہمان وغیرہ سبھی باری باری زخمت ہوتے جا رہے تھے۔ وہ خود باہر دروازے پہ کھڑا سب کو الوداع کہہ رہا تھا۔ اُسکی بہنیں جانا تو نہ چاہتی تھیں مگر ہارون کے اصرار پہ جانا پڑا۔ آخر میں بھابھی نوکروں کو ضروری ہدایات دیتی ہوئیں اُسکے قریب آئیں۔

”ہارون مجھے لگتا ہے کہ شانزے کو کافی صدمہ ہوا ہے۔ ہمیں اسکو پہلے سے ہی سب سچ بتا دینا چاہیے تھا۔“

اب نہ جانے وہ اس رشتے کو قبول بھی کرتی ہے کہ نہیں۔“

”آپ لوگ فکر کیوں کرتے ہیں۔ اس وقت کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ وہ میری بیوی ہے۔“ اُسکے لب مسلسل مسکرا رہے تھے۔ ”غصہ کرے گی چیخے چلائے گی۔ ناراضگی دکھائے گی۔ اور یہ سب کرنا اُس کا حق بھی ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ یہ حقیقت نہیں بدل سکے گی کہ میں اسکا اسپینڈ ہوں۔“ اپنی بات کو خود ہی انجوائے کرتے ہوئے کھل کر ہنساتا تھا۔

”بد تمیز کہیں کے! تمہارے دانت نکل رہے ہیں اندر اُس بیچاری پہ نہ جانے کیا بیت رہی ہوگی۔“ بیچاری!!! اور وہ!! خدا کا خوف کھائیں وہ کہاں کی بیچاری ہوگی۔ پوری ایک نمبر کی آفت ہے۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ اندر کیسے جاؤں گا۔ سوچ رہا ہوں ہیلٹ پین کر جاؤں۔“

بھابھی نے ہنستے ہوئے اُسے شانے پہ ایک ہاتھ رسید کیا۔ اور باہر گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔ جہاں اُنکا بڑا بیٹا چمن گارڈ ز اور ڈرائیور کے ساتھ انتظار کر رہا تھا۔ ماں کے بیٹھنے کے بعد چمن نے سر باہر نکال کر اُسے مخاطب کیا۔ ”اوکے چاچو! چاچی سے تو سلام تک نہیں لینے دی بہت ظالم قسم کے شوہر ثابت ہونے والے ہیں۔ میری بیاری چچی کو میری طرف سے بیسٹ آف لک بول دینا۔ میری ساری ہمدردیاں اُن کے لئے ہیں۔“

ہارون نے ہنستے ہوئے اُسے گھورا ”میری رعایا میں پتا بھی میری مرضی کے خلاف نہیں ہلتا کجا کہ کوئی میری زوجہ سے ہمدردی جتائے۔ گستاخ لڑکے فوراً نکلوا اور پہنچ کر کال مار دینا۔ اوکے باس! اللہ حافظ۔“ چوکیدار کو دروازہ بند کر لینے کا بول کر خود اندر کی جانب بڑھ آیا۔ زری اور ابراہیم وہیں سینگ روم میں موجود تھے۔ ”ہاں تو پارٹنر کیا صورت حال ہے؟“

ابراہیم نے سر ہلاتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ہارون مسکرا کر رہ گیا۔ ”میں نے آپ کو دارن کیا تھا پر آپ کو ہی شوق چڑھا تھا سر پر انڈ دینے کا اب اندر جا کر اپنے کمرے کا حشر دیکھ لیں، بڑی بات ہوگی جو آپ پہچان بھی گئے کہ وہ آپکا ہی کمرہ ہے۔“

”یار اب اتنا تو نہ ڈراؤ آخر تمہاری ماں کوئی ناری مخلوق تو نہیں، ہے تو انسان ہی، اب مجھے کھا تھوڑا جائے گی۔ کیا خیال ہے اندر اُس کے پاس چلیں؟“

”ہاں کیوں نہیں پر جانے سے پہلے مجھے کسی آس پڑوس میں بسنے والے ڈاکٹر یا نرس کا نمبر ضرور نوٹ کروادیں۔“ ابراہیم کی بات پہ اُس نے فلک شگاف قہقہہ مارا۔

”ایک بات میں تم سے ملتے ہی جان گیا تھا کہ تم انتہائی ذہین بچے ہو۔“

”بہت شکر یہ وہ تو میں ہوں۔“

اچھا دادا جی یہ بتاؤ تم دونوں کچھ کھاؤ گے؟ اُس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ ابراہیم کا جواب نفی میں آیا جبکہ زری نے کوئی جواب دینے کی بجائے دونوں بازو اُس کی طرف اٹھا کر گود میں اٹھانے کا مطالبہ کیا۔ جس پہ ہارون نے فوراً اُسے اوپر اٹھا کر اُس کے نرم گالوں پہ پیار کیا۔

”میرا بچہ تھک گیا ہے۔ جانی کچھ کھانا ہے؟“

”نہیں بابا بی بی کرنی ہے۔“

”اچھا چلو پھر چیخ کر لو۔“

”نائیں! بس نی نی کرنی ہے۔“ زری کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

”بابا کی جان زیادہ ہی نہیں تھک گئی؟ چلو آؤ ابراہیم میں تمہیں کمرہ دکھاؤں تم بھی چیخ کر کے سو جاؤ۔ اب باقی کا شوکل صبح دیکھیں گے۔“

سینٹنگ روم سے نکل کر بڑا سا ہال عبور کرتے ہوئے وہ کونے والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ بنیاں جلائیں۔ کمرے میں دو بیڈ لگے ہوئے تھے، زری کا چھوٹا بیڈ ڈارک پنک رنگ کے بستر کے ساتھ سجا ہوا تھا۔ جبکہ دوسرے کونے میں رکھا سنگل بیڈ تیز اور ہلکے نیلے رنگوں کے کورز کے ساتھ سیٹ تھا۔

”ابراہیم ادھر ڈریسنگ روم میں موجود الماری میں تمہارے کپڑے وغیرہ رکھے ہیں جلدی سے بدل کر آؤ تم لوگوں کے لئے دودھ منگواتا ہوں۔“ ابراہیم سر اثبات میں ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اُس نے گود میں اٹھائی ہوئی زری کو اُسکے بیڈ پہ لٹا کر اُسکے جوتے اور پونیاں اتاریں۔ زری نیند کی وادیوں میں گھومنا شروع ہو چکی تھی۔ انٹرکام پہ بچوں کے لئے دودھ لانے کا بولا۔ جب تک دودھ آیا ابراہیم واش روم وغیرہ سے فارغ ہو کر بیڈ پہ آچکا تھا۔ دودھ کا گلاس ختم کر کے ہارون کو تھماتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

”آپ سے ایک بات پوچھوں۔“

ہارون چونکا۔ ”کیوں نہیں یار جو مرضی پوچھو۔“

”وہ اندر الماری میں رکھتے سارے کپڑے کیا صرف میرے ہیں؟“

”میری جان کوئی شک؟“ سوئی ہوئی زری کے منہ میں فیڈر دیکر اُس کا بستر درست کرنے کے بعد وہ ابراہیم

کے بیڈ کی قریب آیا۔

”یہ ساری چیزیں تمہاری ہیں۔ اسکے علاوہ جب بھی کسی چیز کی ضرورت پڑے فوراً بتانا۔“ ابراہیم کو اچھی

طرح رضائی سے کور کیا۔ ”ہوسکتا ہے مجھے کچھ دن کے لیے گاؤں جانا پڑے پیچھے سے تم نے می اور زری کا خیال

کرنا ہے۔“

”کیا آپ کو لگتا ہے کہ اس طرح می کا غصہ اتر جائے گا۔“

”آئی ہو پ سو، اب سو جاؤ گڈ نائٹ۔“

اُس نے ابراہیم کے ماتھے پہ بوسہ دیا اور لائٹ بند کرنے کے بعد دروازہ بھی بند کرتا باہر ہال میں آ گیا۔ کتنی

دیر تک وہیں صوفے پہ بیٹھا کچھ سوچتا رہا نائی کھول کر اوپر والا بٹن کھولا۔ ہاتھ بڑھا کر کارڈ لیس اٹھا کر مطلوبہ نمبر

ملا یا۔ دوسری جانب بھی جیسے کوئی انتظار میں بیٹھا ہو پہلی بیل پہ ہی فون اٹھا لیا گیا تھا۔ حالانکہ رات کا ایک بج رہا

تھا۔ اسلام علیکم۔ آپ یقیناً پریشان ہونگے اُس کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک

دفعہ اُس سے ابھی بات کریں اور ساری صورتحال بتادیں۔ میں نہیں چاہتا دن چڑھنے پہ کوئی جذباتی فیصلہ کرے

پہلے اُسے سچ بتادیں۔

☆.....☆.....☆

اُسے کمرے میں تنہا بیٹھے ڈھائی گھنٹے گزر چکے تھے۔ آخری دفعہ جو اُس کے پاس آیا تھا وہ ہارون کی بھابھی

تھیں۔ جو کہ جاتے ہوئے یہ کہہ کر گئی تھیں۔ کہ وہ جا رہی ہیں اگر کوئی چیز چاہئے ہو تو بلا جھجک بتادے۔ مگر وہ

جواب میں سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی رہی۔ ان کے کسی سوال یا بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بھابھی گئیں تو اسکے بعد

غصے کی شدت اور بے بسی کے احساس نے غلبہ کر دیا۔ بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی کمرے کا دروازہ اندر

سے لاک کرتے ہوئے واپس مڑی اپنا سارا زور اتار کر بیڈ پہ پھینکا۔ دوپٹے کی چٹنیں نکال کر وہیں اچھال کر واش روم کا رخ کیا اچھی طرح دھو کر سارا میک اپ صاف کیا ٹھنڈے پانی کے دو چار گھونٹ بھر کر باہر آگئی۔ مگر اندر کی آگ ویسے ہی جل رہی تھی۔ ایک نظر سلیقے سے سجے کمرے پہ ڈالی تو احساس ہوا وہاں کوئی بھی روایتی قسم کی ڈیکوریشن نہیں کی گئی تھی۔ ”اتنا بڑا ڈرامہ رچا کر ہم لوگوں کو اتنی آسانی سے بے وقوف بنا گئے یہ کیسے لوگ!! اماں ابو کی کیا حالت ہوگی جب انہیں اصلیت کا علم ہوگا۔ یقیناً کوئی فرضی بھابھا بھی ہمارے گھر پر بھیجی ہوگی۔ پراسکوا ببا کے دوست کا بیٹا کیوں کہا۔؟ اس نے بول دیا ہوگا اور اماں نے شکر کیا ہوگا کہ چلو کوئی شرطیں ماننے والے تو آئے۔ بڑے طریقے سے تم نے یہ سب کیا ہے ہارون بخت پر یاد رکھنا جیت تمہاری نہیں ہوگی!“ ہاتھ مار کر ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑے کا سیمیگلکس فرش پہ ڈھیر کر دیے۔ پرفیومز اور کریم کی شیشیاں یہ ستم برداشت نہ کر پائیں جبکہ ہیر جیل نے سامنے دیوار پہ بھی نقش چھوڑا۔ صوفے کے سامنے والی ٹیبل پہ بڑا خوبصورت تازہ گلاب کی کلیوں کا گلدستہ گلاس واز میں سجا ہوا تھا جسے نفرت کے ساتھ گھسوٹ کر بکھیرنے کے بعد وہی گلدان اٹھا کر پوری قوت سے میز پہ دے مارا میز کا تو کچھ نہ بگڑا پر گلدان کا کرٹل احتجاجاً ہر طرف بکھر گیا۔ کاش ہارون بخت بھی کوئی کرٹل کا پیس ہوتا جسے دیوار میں دے مار کر وہ یہاں سے چلی جاتی۔ مگر زکوں کی میں یہاں ابھی بھی نہیں۔ مجھے ابو کو بتانا چاہئے۔ کرٹل کے کلڑوں سے بچتی بچاتی بیڈ کی دوسری سائیڈ والے دراز پہ رکھے اپنے ہینڈ بیگ تک آئی۔ سارا بیگ چھان مارا موبائل نہیں ملا پھر یاد آیا کہ وہ تو بڑی آپا نے لیا تھا یہ کہہ کر کہ صبح لے آؤ گی۔ اب مصیبت صبح ہونے تک انتظار کروں۔ یا پھر باہر نکل کر گھر کی لائن ڈھونڈوں۔ مگر میں باہر گئی تو کوئی نہ کوئی فرد نکلا جائے گا جبکہ میں ان لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔ دن نکلنے پہ ہی دیکھو گی ویسے بھی اسی وقت اماں لوگوں کو بتا کر کیا پریشان کرنا کچھ دیر تو وہ خوش ہو لیں۔ میں صبح اسلام آباد چلی جاؤ گی اور مناسب طریقے سے بتا دوں گی۔ تاکہ انہیں زیادہ دکھ نہ ہو۔ کتنے آرام سے تم نے مجھ سے میری سب سے بڑی دولت چھیننی چاہی ہے ہارون میں اسے تم لوگوں سے بہت دور لے جاؤ گی۔ اُسکے پاس نے دو مہینے پہلے اُسے اپنی دینی والی برانچ میں کام کرنے کی آفر دی تھی جسے تب تو اُس نے رد کر دیا تھا۔ مگر اب اسکا ذہن بڑی تیزی سے اگلا لائحہ عمل تیار کر رہا تھا۔ اپنی سوچوں میں اس بری طرح غرق تھی کہ دروازے پہ ہونے والی دستک فوراً نہ سُن پائی فوراً جب توجہ اُدھر ہوئی صرف اک پل کو اُسکے دل

کی دھڑکن رکی تھی اور وہ پل بڑا مختصر، تھا۔ اُس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر دروازے کی سمت دیکھا آنکھوں سے نفرت کے شعلے نکل رہے تھے۔ اُس نے دروازہ کھولنے کی زحمت گوارا نہ کی تو وہ باہر سے چابی لگا کر کھول لیا گیا۔ جب وہ ایک ہاتھ میں کارڈ لیس تھا مے اور دوسرے ہاتھ سے لاک کھول کر اندر داخل ہوا اُسکے پسندیدہ پرفیوم کی خوشبو کے بھسکے اسکی ناک سے نکلے تو نظر بے اختیار ڈریسنگ ٹیبل کی جانب اٹھی وہاں سے ہوتی ہوئی سینئر ٹیبل پھر وہیں صوفے پہ گھڑی بنی بیٹھی شانزے پر ٹک گئی۔ پہلی دفعہ یوں دونوں ایک دوسرے کے سامنے آئے تھے، وہ شانزے کی نظروں میں اپنے لئے نفرت اور غصہ دیکھ سکتا تھا۔ مگر ہارون کے احساسات شانزے کے مقابلے میں بالکل مختلف تھے۔ سبز فراک دوپٹے کے بغیر خوبصورت سلکی بال کمر تک آرہے تھے۔ چہرے کے تیکھے نقوش بڑی بڑی گھورتی ہوئی آنکھیں، اسکے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی اور کو نہیں بلکہ اپنی بیوی کو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ یہ بات محسوس کر گیا تھا کہ وہ اُسے دیکھ کر چونکی ضرور تھی مگر گھبرائی یا شرمائی نہیں۔ اُسکے چونکنے کی وجہ بھی وہ جانتا تھا۔ ہلکے سے کھانسنے لگا صاف کیا اور فون شانزے کی طرف بڑھا دیا جسے لینے میں شانزے نے کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی تو اُسے بولنا پڑا۔

”لائن پہ تمہارے ابو ہیں۔ بات کرنا چاہتے ہیں۔“

ابو کا نام سنتے ہی اس نے فون لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

ہارون نے فون اسکے ہاتھ پہ رکھنے کی بجائے اسکا ہاتھ تھام لیا۔ ”یہ وقت بہت قیمتی ہے شانے کاش اس

وقت ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہ ہوتا۔“

ایک جھٹکے سے اس نے اپنا ہاتھ واپس کھینچا۔ اور پھنکار کر بولی۔ ”دھوکے باز آدمی تمہارے ان اوچھے

ہتھکنڈوں کا مجھ پہ کوئی اثر نہیں ہونے والا!!“

ایک سردی نگاہ ہارون نے شانزے کی آنچ دیتی نگاہوں میں ڈالی۔ اور ٹھہری ہوئی آواز میں بولا۔ ”تمہیں

یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میں خود بھی اس وقت کچھ ایسا ہی سوچ رہا ہوں کہ یا رکیا تھا جو میں رنج کے خود غرض کمینہ بے

غیرت سا انسان ہوتا۔ تاکہ یار کم از کم اپنی شادی والے روز تو پیڑ گننے کی بجائے پھل کھانے سے غرض رکھتا۔ پر

اس کو اپنی خوش نصیبی جانو یا میری بد نصیبی کہ میں تمہارے خالی جسم کا نہیں تمہاری روح و دل کا بھی پجاری ہوں جس



وجہ سے ہم دونوں کو وہی طویل سفر طے کرنا پڑے گا اب دیکھنا یہ ہے کہ جیت کس کی ہوتی ہے تمہاری نفرت کی یا کہ میری نیک نیتی کی۔ لو بات کرو" فون کو ان ہولڈ کرتے ہوئے اُس کی گود میں ڈال کر وہاں سے چلا گیا۔"

کینے کو شوق ہے کہ کاش وہ اس سے بھی زیادہ مکینہ ہوتا۔ "بڑبڑاتے ہوئے فون اٹھایا تو نہ جانے کہاں کہاں چھپ کر بیٹھا پانی خود بخود آنکھوں سے گرنے لگا۔

"ابو جی ہمارے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہوا ہے۔ یہ کوئی اور ہارون نہیں ہے ابو جس کے ساتھ آپ نے میری شادی کر دی ہے وہ ہارون بخت ہے۔ ولی بخت کا بھائی!! ابو جی ابراہیم کا چچا۔"

اُس نے زار و قطار روتے ہوئے اپنی بات مکمل کی ابو کے دل پہ جو بیٹی تھی اسکا سوچ کر اور رونا آرہا تھا مگر یہ کیا۔ ابو کہنے لگے۔

"شانزے بیٹا پہلے تو یہ رونا بند کرو تم جیسی بہادر لڑکی اتنی سی چھوٹی بات پر روتی ہوئی بالکل بھی اچھی نہیں لگتی۔" یک دم دھچکا لگا۔

"ابو جی شائد آپ تک میری آواز صاف نہیں گئی۔ ابو جی جہاں میں اس وقت موجود ہوں وہ کوئی اور جگہ نہیں ہے ابراہیم کا ددھیال ہے ان لوگوں نے ہم سے اپنی اصلیت چھپا کر رکھی ہے۔ ابو ہمارے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہے۔ امی تو کہتی تھیں پوری چھان بین کی ہے لڑکا آپ کے دوست کا بیٹا ہے پر ابو یہ تو سب الٹ ہو گیا۔ یہ تو ہمارے دشمنوں کا بیٹا ہے۔"

"شانزے بس کرو! مزید کچھ کہنے سے پہلے میری بات پورے تحمل سے سنو۔ ہارون نے یا اُسکی فیملی نے ہمارے ساتھ کوئی جھوٹ نہیں بولا۔"

"ک کیا؟"

"ہاں!! ہم سب کو معلوم ہے کہ ہارون ولی کا بھائی ہے۔ حتیٰ کہ ابراہیم کو بھی علم ہے۔ اسکے والد اور بہنیں ہارون کی مرضی پہ خود ہمارے گھر رشتہ لیکر آئیں تھیں۔ ہمارے درمیان جو بھی کوئی غلط فہمی تھی آسنے سامنے بیٹھ کر بات کرنے سے گلے شکوے دور ہو گئے۔ انہوں نے تمہارے لئے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور مجھے یہ رشتہ ہر لحاظ سے تمہارے لئے موزوں لگا۔ تم سے یہ بات اس لیے چھپائی گئی کیونکہ ہم سب تمہاری جذباتی طبیعت سے

واقف ہیں۔"

آنسو آنکھوں میں ٹھہر کر رک گئے زبان خاموش ہو گئی۔ جبکہ ابو کہہ رہے تھے۔ "ہارون نے ائرپورٹ پہ ہی ابراہیم کو پہچان لیا تھا۔ جب تم نے اسکی بیٹی کی پیٹی بدلی تھی وہ یہ سب مجھے بتا چکا ہے۔ وہ ادھر گھر پہ ابراہیم سے ملنے کو آیا تھا مگر میں نے اُسے بتا دیا کہ ابراہیم تمہارا بیٹا ہے اور تم کبھی بھی اُسے ہارون سے ملنے کی اجازت نہیں دو گی۔"

"آپ نے اُسے یہ بتایا اور اگلا کام اُس نے یہ کیا کہ آپکے سامنے میرا پوزل رکھ دیا۔ جسے آپ لوگوں نے شکر یہ نوازش بول کر قبول کر لیا۔ ابوجی آپ ایک ایسے انسان کی باتوں میں آگئے۔ جس نے اتنے سالوں بعد ابھی کو دیکھا تو اس سے ملنے کا خیال آیا۔ یہ آدمی اس سے پہلے کہاں تھا؟ میں اسکی ساری مکاری سمجھ گئی ہوں ابوجی وہ پہلے سے شادی شدہ ہے اسکو بیوی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اُس نے جھوٹی کہانی بنائی اور آپ نے یقین کر لیا۔ میری چھٹی حس پہلے ہی اشارے کر رہی تھی کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے مگر میں آپ پہ یقین کر کے ماری گئی۔ وہ صرف مجھ سے ابراہیم چھیننا چاہتا ہے۔ جب سیدھی طرح مشکل نظر آیا تو یہ کھیل رچا لیا۔ ابوجی مجھے تو دھوکہ اُس شخص کی بجائے آپ لوگوں نے دیا ہے۔ سچائی آپ نے چھپائی ہے۔ آپ نے یہ کیوں نہ سوچا ابوجی میں شانزے ہوں کاٹھ کا لونہیں ہوں۔ میں اس آدمی کو ناپسند کرتی ہوں اس کے خاندان کو ناپسند کرتی ہوں اور میں اپنے بیٹے کو لے کر یہاں سے چلی جاؤ گی۔"

اُس کی بات ابھی جاری تھی۔ دوسری جانب سے امی کی کڑک دار آواز گونجی۔ "شانزے یہ مت بھولو کہ ابراہیم تمہارا نہیں شمن اور ولی کا بیٹا ہے۔ مخدوم خاندان کا خون ہے۔ جتنا حق اُس پہ تمہارا ہے۔ اُس سے دو گنا حق ہارون رکھتا ہے۔"

ماں کے الفاظ پتھر کی طرح اُس کے دل پہ لگے تھے۔ کوئی صدے سا صدمہ ہوا تھا۔ "آپ ہارون کو میرے مقابلے پہ لارہی ہیں۔؟ کیا آپ بھول گئی ہیں کہ کتنی راتیں میں اُسکے لیے جاگی ہوں۔ اماں وہ بیمار ہوتا تھا تو مجھے دنیا بھول جاتی۔ وہ میری اولاد ہے۔ اماں میری شمن کی نشانی ہے۔ اماں وہ صرف ایک ماہ کا تھا جب میری گود میں آیا تھا۔ میرے ہاتھوں میں اس نے چلنا شروع کیا تھا اماں اور جب لڑکھڑا کر گرتا تھا تو اُس کو گود

میں لینے کے لئے آپ کا ہارون نہیں آتا تھا۔ اُسکو تو یہ بھی علم نہیں ہے کہ ابراہیم نے سب سے پہلے کس کا نام لیکر مخاطب کیا تھا۔ اور آج آپ کہہ رہی ہیں کہ اسکا ابراہیم پر میرے برابر حق ہے۔ تو آپ غلط ہیں اس آدمی کا میرے بچے پہ کوئی حق نہیں ہے۔"

کمرے کے دروازے کے باہر کھڑا ہارون شانزے کا ادا کیا ہر لفظ سن رہا تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی کی چادر گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"اب آپ نے پھر اُسے اُسی خاندان میں پھینک دیا۔ جہاں سے اُسکی ماں کو اذیتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا۔ اماں کا ش آپ نے یہ فیصلہ کرنے سے پہلے ایک دفعہ بھی سوچا ہوتا۔ کیا آپ مجھے جانتی نہیں ہیں؟ آپ کو کیسے لگا بھی کہ میں ان لوگوں کے درمیان آ کر بسوں گی جنہوں نے میری بہن کو نہ قبول کیا اُسکو بد کردار اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا۔ اس آدمی کی ماں نے تو شمن کو اپنی بہوتک تسلیم نہیں کیا تھا، پھر اُسکی بہن کو اپنے دوسرے بیٹے کے لئے کیوں بیاہ لائیں؟ اماں شمن تو بڑی نازک تھی بہت بھولی اُس نے تو باہر کی دنیا دیکھی ہی نہ تھی۔ اگر یہ لوگ اس کو بد کردار بول سکتے ہیں، تو ماں آپکی یہ بیٹی تو عرصے سے اکیلی رہتی آرہی ہے۔ میڈیا میں کام کرتی ہے۔ اب بتائیں مجھے کیا کچھ نہیں سننا پڑے گا؟"

"جو اذیت ان لوگوں کی وجہ سے ولی بھائی، اور شمن کو برداشت کرنی پڑی اُسکے لیے میں ان لوگوں کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ وہ شمن کی بد قسمتی تھی کہ وہ اس خاندان کی بہو بنی اور اس دفعہ ان لوگوں کی بد قسمتی ہے کہ انکی بہو بنی ہوں۔ میں یہ نکاح ختم کرنا چاہتی ہوں کہہ دیں اُس ہارون کو جس تیزی سے نکاح ہوا ہے۔ اسی سپیڈ کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق....."

"خبردار!!! شانزے خبردار!!!" اماں کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔ "شانزے میری ایک بات یاد رکھنا۔ اگر تم ضدی اور ہٹ دھرم ہو تو میں بھی تمہاری ماں ہوں۔ اگر اس دفعہ تم نے اپنی کسی فلاسفی یا جذباتی پن کی وجہ سے علیحدگی اختیار کی تو اسی دن خود کو ختم کر لو گی۔ میرا امری کا بھی منہ دیکھنے کی تمہیں اجازت نہیں ہوگی۔ تم جتنی منہ پھٹ اور بد تمیز ہو میں اچھی طرح جانتی ہوں وہ تو اس بچے کی شرافت ہے جو تمہارے خیالات جان لینے کے بعد بھی تمہیں بیاہنے آ گیا۔ ورنہ اب تک جتنے بھی لوگ تمہارے لئے آئے سبھی تم نے بھگا دیئے۔ اگر ماں عزیز

ہے تو ذرا کرو کہ ہارون تمہیں بسالے۔“ ساتھ ہی فون بے جان ہو گیا۔

”ہمیشہ سے بلیک میل کرتی آئی ہیں مجال ہے جو کبھی یہ حربہ چھوڑ دیں۔ ہارون کیا مجھے بسائے گا بلکہ اسکے ساتھ میری جوتی بستی ہے۔“ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کارڈ لیس کو دور اچھال دیا۔ سر میں شدید درد جاگ اٹھا تھا۔ اور نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

کتنی ہی دیر تک ہارون بت بنا اپنی جگہ پہ کھڑا رہ گیا۔ اُس نے نہیں سوچا تھا کہ شانزے اس حد تک نفرت رکھتی ہے۔ وہ نڈر اور منہ پھٹ بھی حد سے زیادہ تھی۔ کچھ طے کرنے کے بعد اپنی جیب میں گاڑی کی چابی کو ٹٹولتے ہوئے اُسکی موجودگی کی تصدیق کرتے ہوئے اُسکے قدم باہر کی طرف بڑھ گئے۔ اور جب چوکیدار کو ضروری ہدایات کرنے کے بعد اُسکی گاڑی گیٹ سے نکلی تو گھر کے دونوں نوکر نیند سے بھری آنکھیں ملتے ہوئے پچھلی سیٹ پہ موجود تھے۔

صوفے پہ بیٹھے بیٹھے ہی کہیں چار بجے اُسکی آنکھ لگ گئی تو دنیا کا کوئی ہوش نہ رہا۔ اُس وقت بھی بے ترتیبی سے صوفے پہ سوئی ہوئی تھی جب اپنے چہرے پہ نرم لمس کا احساس ہوا مگر نیند بڑی گہری تھی۔ پھر یوں لگا جیسے کوئی دور رہا ہو۔ ساتھ اسکے چہرے کو تھپتھپایا۔ بڑی دقت سے ایک آنکھ کھول کر جائزہ لیا۔ سنہری گھنگریالے بال سرخ و سفید چہرہ گللابی لب نیلی آنکھیں اور اُن میں ٹھہرا ڈھیر سا پانی۔ اُسکی آنکھ دوبارہ بند ہوئی۔ ذہن تھوڑا بیدار ہوا کڑی سے کڑی ملائی تو سونے سے پہلے کمرے کے فرش پہ بکھرا کالج اور پھر کالج جیسی آنکھوں میں زکاپانی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اسکے سر کی طرف صوفے کے پاس زری کھڑی تھی مسلا سا سفید نیٹ کا خوبصورت فرائک سینے کے ساتھ ٹیڈی بیئر لگائے خاموش کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ ایک دو سیکنڈ زری کو دیکھتی رہی پھر جلدی سے جھک کر اُسے صوفے پہ بیٹھا لیا۔ اسی تیزی سے اُسکے پیروں کو باری باری دیکھ کر ٹٹولا۔ کچھ نظر نہ آیا تو آخر پہ چھ ہی لیا۔

”کیا کالج لگا ہے؟“ زری نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”کالج نہیں لگا تو روکیوں رہی ہو؟“ اب وہ اور بھی حیران تھی اور زری کو دیکھنے میں بیٹھی تھی۔

”مجھے ششیا آیا ہے۔“

”اوہ!! اچھا“

”تم ہمیں نہیں لگاتی ہو؟“

”نہیں“

”آخری دفعہ جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تم نے ہمیں لگایا ہوا تھا“ زری نا سمجھی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

”نیو ماسٹڈ چلو آؤ ہاتھ لے جاتی ہوں“

ساتھ ہی زری کے آنسو رگ گئے۔ وہ خود سے ہی صوفے سے نیچے اترنے کے چکر میں تھی۔ مگر شانزے نے اُسے اٹھالیا۔ اور کمرے سے باہر لے آئی۔ تھوڑی حیرت بھی ہوئی اچھا خاصا دن نکلا ہوا ہونے کے باوجود سارے گھر پہ خاموشی کا راج تھا۔ ہال کمرے کی لائٹ تو جل رہی تھی پر کسی قسم کی کوئی چہل پہل نہ تھی۔ تعجب بھری نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ پھر زری کو دیکھا۔

”باتھ کس طرف ہے؟“ زری نے ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا تو وہ اسی طرف آگئی۔

باتھ روم کے دروازے پہ زری کو نیچے اتارنا چاہا پر یہ بھی عجب معاملہ بچی نیچے اترنے کی بجائے اسی کے ساتھ چٹھی جائے جا رہی ہے۔

”اتر و بھی شئی نہیں کرنا؟“

”میرا جوتا نہیں ہے“ اُس کے جواب پہ وہ بڑی خوشگوار حیرت کا شکار ہوئی۔ ایک ڈھائی تین سالہ بچی باتھ روم میں قدم نہیں رکھ رہی تھی کیونکہ اُس نے جوتا نہیں پہنا ہوا تھا۔

”جوتا کدھر ہے؟“

”میرے کمرے میں“

”اچھا اور تمہارا کدھر ہے۔؟“

”وہ ادھر کارنر والا ہے“

اُس نے زری کو ہال کے کارپٹ پہ کھڑا کیا اور خود اُس کے بتائے ہوئے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ کمرے کا دروازہ کھولتے ہی پہلی نظر سامنے بیڈ پہ جو خواب ابراہیم پہ پڑی اُس کی رگوں میں سکون کی لہر دوڑ گئی۔ آگے بڑھ کر فوراً اُس کا ہاتھ چومتے ہوئے نیا حکم صادر کیا۔

"ابھی بستر سے نکل کر جلدی سے تیاری پکڑو ہمیں جانا ہے۔ اور باہر نکل کر پتا کرو کہ اس گھر کے لوگ کس وقت تک اُٹھتے ہیں"

ابراہیم نے نستی سے کروٹ بدلتے ہوئے مطلع کیا۔ "می می اس وقت اس گھر میں ہم لوگوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

"ہیں؟؟؟"

"ہاں"

ابراہیم سے بہت کچھ پوچھ لینے کی خواہش کو دل میں بسائے زری کا جوتا اٹھا کر باہر نکل آئی جہاں وہ منتظر کھڑی تھی۔ کموڈ پہ بیٹھنے میں زری کی سہولت کے لئے وہاں پہ ایک سٹول رکھا گیا ہوا تھا، زری نے ہاتھ دھوئے دانت برش کیے منہ دھو کر خود ہی تو لیے سے چہرہ صاف کرنے کے بعد حیران کھڑی شانزے کی طرف توجہ کی۔ "میرے بابا کدھر ہیں؟"

"کون بابا؟؟ اچھا اپنے دادا کا پوچھ رہی ہو؟"

شانزے کی بات پہ اُس نے دوبارہ سرکونفی میں جنبش دی۔ "دادا جان تو میرے بابا جانی نہیں ہیں۔ وہ تو بابا جان کے بابا ہیں"

"بھئی تمہارے بابا کا نام کیا ہے؟"

زری نے شانزے کو ایسے دیکھا جیسے کوئی خلائی مخلوق رستہ بھول آئی ہو۔

"میرے بابا کا نام مخدوم ہارون بخت ہے"

"اوہ!!! تو تم اُس لنگور کی بیٹی ہو۔ اُسکے کمرے میں دیکھو اُدھر ہی کہیں ہوگا۔"

"نہیں ہیں۔ کیونکہ اُن کے کمرے میں تو آپ سو رہی تھیں۔"

"تو کسی اور کمرے میں ہوگا۔"

زری دوبارہ رونے کے لئے پرتوالتے ہوئے بولی "کہیں بھی نہیں ہیں میں نے سب کمروں میں دیکھ لیا ہے۔" رونے والی کوئی بات نہیں ہے یہیں کہیں ہوگا آجاتا ہے"

زری اُسکی بات پہ کان دھرے بغیر بولی "نہ بابا ادھر ہیں نہ بڑی امی اب مجھے فیڈ رکون بنا کر دیگا۔"

بے اختیار سی مسکراہٹ اُبھری تھی "وہ تمہیں فیڈ ز بنا کر دیتا ہے؟"

"ہاں" فخر سے سر اثبات میں زور زور سے ہلایا۔

"خیر اتنی چھوٹی سی بات پہ رومت میں تمہیں تمہاری بوتل بنا دیتی ہوں۔ آؤ مجھے بتاؤ کچن کس طرف ہے؟"

"کیا آپ کو نہیں پتا کچن کدھر ہے؟"

"نہیں"

"پر کیوں نہیں پتا؟"

"کیونکہ نہ تو یہ میرا گھر ہے نہ میں ادھر رہتی ہوں تو کیسے علم ہوگا کہ کچن کس جگہ پایا جاتا ہے۔ چلو بتاؤ کچن

کدھر ہے تاکہ فیڈ ز بنانے کے بعد تمہارے باپ کو ڈھونڈھ کر تمہیں اُس کے حوالے کروں پھر ہم نے جانا ہے۔

اُسکی بات پہ فوراً سوال آیا۔ "کہاں جانا ہے؟"

زری کا کچن تک گائیڈ کرنے کا کوئی پروگرام نہ دیکھ کر وہ خود ہی آگے بڑھی ایک دروازہ کھولا وہ سٹور کا نکلا۔

دوسرا کھولا تو لانا ڈری تھی۔ اُس سے اگلا شکر ہے کہ کچن ہی تھا۔ بتی جلنے پر صاف ستھرا کچن نظر کے سامنے تھا۔ ٹھنڈا

پڑا چولہا اس بات کا ثبوت تھا کہ دن چڑھنے کے بعد سے کوئی ذی روح نے قدم نہیں رکھے۔ ایک طرف شلف پہ

ہی دو تین فیڈ ز پڑے تھے۔ دودھ بھی اُبلا رکھا گیا۔ فیڈ ز بنا کر زری کے حوالے کیا۔ جسے بغیر شکر یہ کے تمام کر

وہ باہر نکلی اور ہال کے صوفے پہ بڑی آرام سکون سے لیٹ کر دودھ پینے لگی۔ ہال کی سامنے والی دیوار پہ ہی لنگتی

گھڑی پہ اس وقت صبح کے ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے۔ شانزے واپس اُسی کمرے میں آئی جہاں رات گزارا

تھی۔ احتیاط سے پیر رکھتے ہوئے جا کر اپنے جوتے تک رسائی کی پہننے کے بعد بیڈ پہ پڑا دوپٹہ اوڑھنے کے بعد

واپس باہر آگئی۔

"ابراہیم تم ابھی تک اُٹھے کیوں نہیں؟ اُٹھو فوراً جلدی کرو اس سے پہلے کہ کوئی آئے ہمیں یہاں سے جانا ہے۔"

آنکھیں ملتے ہوئے ابراہیم نے حیرت و تشویش سے ماں کو دیکھا۔ "کہاں جانا ہے؟"

شانزے نے اک لمحے کو نظر چرائی۔ "اپنے گھر واپس جانا ہے۔"

" مگر نانا نے تو کہا تھا کہ اب یہی ہمارا گھر ہے۔ "

" میں نہیں جانا چاہتی کہ نانا نے کیا کہا تھا کیا نہیں تم وہ کرو جو میں کہہ رہی ہوں "

" مگر مئی.....۔۔ "

" اہی!! فارگا ڈسک نومور کو پسختز!! "

" صرف یہ بتادیں لاہور جا رہے ہیں یا اسلام آباد اور کیا ہارون چچا کو علم ہے؟ "

وہ جو ابراہیم کو پکڑ کر کھینچ رہی تھی بازو پہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ " تمہیں کس نے بتایا کہ وہ تمہارا چچا ہے؟ "

" انہوں نے خود بتایا تھا۔ پھر میں نے ناناجی سے بھی پوچھا تھا۔ اور مئی ہارون چچا نے مجھ سے سوری بھی

کیا کہ وہ مجھ سے اتنے سال مل نہیں پائے جسکا انہیں بہت افسوس ہے۔ "

شانزے نے بری طرح گھورا اور جب بولی تو آواز کافی اونچی تھی۔ " بھاڑ میں جائے تمہارا چاچا اسکا

افسوس اور ساتھ ہی اسکا سوری بھی مزید کچھ نہیں سونگی۔ کپڑے بدل کر آؤ۔ "

ابراہیم چپ چاپ ہاتھ روم کی جانب چلا گیا۔ وہ باہر آئی اور سارے گھر میں آوازیں دیں۔ حتیٰ کہ سرونٹ

کو اڑنے سے بھی کوئی جواب نہ آیا کوئی ہوتا تو جواب بھی دیتا۔ واپس گھر کے اندر آئی۔ ہاتھ منہ دھونے کے بعد

بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹ لیا۔ ابراہیم بھی تیار ہو کر ہال میں آچکا تھا۔ وہ جو ادھر کو آ رہی تھی۔ ابراہیم کے

لباس کو دیکھ کر چوکی۔

" یہ کس کے کپڑے ہیں؟ "

" میرے اپنے ہیں۔ "

" مگر میں نے تو یہ تمہیں نہیں دلوائے "

" مئی۔ میری تو پوری واڈروب تیار ہے۔ جب آپکا غصہ اتر جائے ضرور دیکھے گا۔ "

" دو چار ہزار کے کپڑے دلوا کر کیا احسان کیا تمہاری کروڑوں کی جائیداد اس کے پاس ہے۔ "

اسکی نفرت بھری بڑبڑاہٹ ابراہیم کوشش کے باوجود سن نہ پایا تو سیدھے پوچھ ہی لیا۔ " مئی کیا کہا؟ "

" کچھ نہیں "



اُسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ہو کیا رہا ہے۔ کل شادی ہوئی اور آج سارا گھر بالکل خالی نوکر تک غائب، کوئی نوکر ہی ہوتا تو وہ زری کو اُسکے پاس چھوڑ کر چلی جاتی۔ اُس پہ بھی دل راضی تو نہیں تھا۔ مگر کچھ دیر سوچنے کے بعد یہ ارادہ کیا کہ زری کو ساتھ لے جاتی ہے اور ولی بھائی کے گٹھ چھوڑتی ہوئی چلی جائے گی۔ یہی فیصلہ ٹھیک لگا۔ بجائے اس کے کہ ادھر بیٹھ کر کسی کے آنے کا انتظار کیا جاتا۔ فیصلہ کر لینے کے بعد اُس نے زری کو بھی تیار کیا اور افراتفری میں اپنا چھوٹا سا پرس اٹھا کر گیٹ کی جانب بڑھی زری کی انگلی تھامی ہوئی تھی۔ اور ابراہیم پریشان سا پیچھے آ رہا تھا۔

"چوکیدار دروازے کا تالا کھولو"

بڑے اور چھوٹے دونوں دروازوں پہ تالے لگے ہوئے تھے۔

مونتا بگڑا جسم باہر کو اُبلے ہوئے موٹی موٹی آنکھیں کانوں تک جاتی ہوئیں لمبی لمبی مونچھیں سر پر پگڑی ہاتھ میں دونالی آٹو بینک مشین گن۔ اور کھڑایوں ناک کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے، بالکل سٹیچو لگ رہا تھا۔ ایک پل کو گردن موڑ کر حکم دینے والی کو دیکھا۔ پھر بڑے ادب سے عرض گزار ہوا۔

"بی بی مجھے تالا کھولنے کا حکم نہیں ہے۔"

"ہاں تو اب میں دے رہی ہوں نا حکم دروازہ کھولو"

"آپ کون ہو؟ اور میں کیوں آپ کے کہنے پہ یہ دروازہ کھولوں جبکہ مجھے میرے سائیں کا حکم ہے کہ یہ

دروازہ نہیں کھولا جائے گا۔"

"کیا نام ہے تمہارے سائیں کا؟"

چوکیدار نے اپنی گردن مزید اکڑائی۔ "میرے سائیں کا نام مخدوم ہارون بخت ہے"

شانزے نے دانت پیستے ہوئے اُسے گھور کر عزت افزائی شروع کی "اُلو کے پٹھے میں اُسی کمینے کی بیوی

ہوں جسے تم اپنا سائیں کہہ رہے ہو۔ کھولو دروازہ!!"

"ہمارے سائیں کو دوبارہ ہمارے سامنے گالی نہ دینا سائیں ورنہ مجھ بھی ہو سکتا ہے۔" اُس نے بندوق پہ

اپنی گرفت مضبوط کی مگر نگاہیں شانزے کی مخالف سمت میں دیکھتی رہیں۔ اور شانزے پہ دھمکی اثر کر جاتی تو وہ

”کیا کہا تھا اُس لنگور نے؟؟ اور وہ اس وقت ہے کہاں؟“

”سائین میں سمجھا نہیں کہ آپ کس کے متعلق پوچھ رہی ہیں۔ کیونکہ میرے مالکوں میں کسی کا نام لنگور نہیں ہے۔“

”صدقے جاؤں میں تمہاری معصومیت کے۔ تمہیں سمجھانے کے لیے میرے پاس اور بھی آسان حربے

ہیں۔ جو بزدل انسان اپنی بچی یہاں چھوڑ کر خود کہیں چھپ بیٹھا ہے اُس کا پوچھ رہی ہوں۔“

چوکیدار کا خون ایک دفعہ پھر اُبلنا مگر ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ”سائین سائین رات کو ہی ادھر سے جا چکے ہیں، اور جانے سے پہلے بول کر گیا ہے کہ کوئی باہر سے آئے تو اندر جانے دیا جائے۔ پھر صرف آنے والے کو ہی واپس جانے دیا جائے۔ اور جو لوگ گھر کے اندر موجود ہیں وہ کہیں نہیں جائیں گے۔ جب تک کہ سائین کی اجازت نہ ہو۔“

پہلے تو شانزے کو اپنے کانوں پہ یقین نہیں آیا۔ پھر صدے سے جو منہ میں آیا بولتی چلی گئی۔

”کہہ دینا اُس دھوکے باز کینے کم ظرف انسان سے ایک دفعہ میرے سامنے آجائے اگر زندہ بچ گیا تو دوبارہ کبھی ایسے حکم صادر نہیں کر سکے گا۔“

بچوں کو وہیں چھوڑ خود پیر پختی واپس اندر چلی گئی۔ غصے سے دماغ اُبل رہا تھا۔ سینک روم میں فون سٹینڈ کارڈ لیس کے بغیر خالی پڑا منہ چڑا رہا تھا۔ یاد آتے ہی اندر کمرے کی جانب گئی کیونکہ وہیں تو فون سننے کے بعد پھینکا تھا۔ کمرے میں اسی طرح کا بچ بکھرا پڑا تھا۔ بے دلی سے اندر آئی۔ فون ڈھونڈا آن کرنے کی کوشش کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ فون ڈیڈ پڑا تھا۔ اُسے یقین نہ آیا اس لیے بار بار اُٹا ماری مگر جب پھر بھی ناکامی کا ہی منہ دیکھنا پڑا تو کھینچ کر فون دیوار میں دے مارا۔ اور ساتھ ہی اونچی اونچی رونا شروع کر دیا۔ ”مجھ سے کس بات کا بدلہ لیا ہے؟ ایک بے حس کم ظرف انسان کو میری زندگی کا اختیار دیکرا چھان نہیں کیا اماں آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں نے آخر بگاڑا کیا تھا کہ بیٹھے بیٹھے جان عذاب میں ڈال دی۔ اب سمجھ آیا تھا کیوں رکھ لیا تھا۔“ اس وقت باہر سے روابط مکمل کٹا ہوا تھا اور کوئی صورت بھی نظر نہ آ رہی تھی۔ ذہن میں اک خیال آیا تو صوفے سے اُٹھ کر تیزی سے باہر آئی۔ اور ایک ایک کر کے سبھی کمروں کی تلاشی لی کہیں جا کر آفس ٹائپ سٹڈی میں اپنی مطلوبہ

چیز نظر آئی۔ لیپ ٹاپ کی شکل دیکھ کر آنکھیں چمک اٹھیں۔ کرسی کھینچ کر دھڑام سے بیٹھی لیپ ٹاپ اپنے سامنے کر کے کھولا آن کیا۔ مگر انٹرنیٹ کی غیر حاضری پہ دل خون کے آنسو رویا۔ "لکھ دی لعنت تم لوگوں کی اوقات پر سارے گھر میں ایک ہی فون لائن وہ بھی ڈیڈ انٹرنیٹ بھی آڈٹ۔ ایک دفعہ!! بس ایک دفعہ تم میرے سامنے آ جاؤ ہارون کبخت تمہاری گردن اپنے ہاتھوں مروڑو گی!!!!"

میز پہ رکھا پیپر ویٹ اٹھا کر پوری قوت سے لیپ ٹاپ کی سکرین پہ مارا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے پتھر لیپ ٹاپ کی بجائے ہارون کو مارا ہو۔ لینوو کی ساری سکرین ناکارہ ہو گئی۔ سر ہاتھوں میں گرا کر آنکھیں بند کر کے کوئی رستہ سوچنے کی کوشش کی۔ ٹی وی کی آواز اُسے اس طرف کھینچ لائی۔ ابراہیم اور زری سینگ روم میں موجود اپنی مرضی کا چینل لگانے میں مصروف چھوڑ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی ایک دفعہ پھر جاچو کیدار کے سامنے کھڑی ہوئی۔ جو کہ پہلے سے بھی زیادہ الرٹ کھڑا تھا۔

"دیکھو تمہارا نام کیا ہے؟"

"گلاب مکھن جی" اپنی سیدھ میں دیکھتے ہی جواب دیا گیا۔

"استغفر اللہ" منہ میں ہی رہ گیا۔ جسکی ہلکی سی بڑبڑاہٹ سن کر گلاب مکھن نے ہلکی سی گردن موڑ کر اُسے

دیکھا پھر سیدھا ہو گیا۔ "میرا مطلب ہے کہ کس قدر شاندار نام ہے۔ کس نے رکھا تھا؟"

"میری اماں نے۔ اور بھی جو پوچھنا ہے پوچھ لو بی بی سائین مگر آپ یہاں سے تب تک نہیں جاسکتی ہیں

جب تک میرے سائین کا آڈرنہ آئے۔"

"ارے ہاں وہی تو بتانے آئی ہوں۔ میری ہارون سے فون پہ بات ہو گئی ہے وہ کہہ رہا ہے گلاب کو بولو ٹیکسی

لا کر دے تاکہ تم لوگوں کو جہاں جانا ہے آسانی سے جاسکو۔"

گلاب مکھن نے پہلے شانزے کو غور سے دیکھا اور ایک دیوہیکل قہقہہ مار کر یک دم خاموش ہو گیا۔ بندوق

مزید سیدھی کرتے ہوئے بولا ""بی بی سائین آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ سائین ہم کو بتا کر گیا ہے کہ گھر کا فون

بند ہے۔ آپ انہیں فون نہیں کر سکتی ہو صرف سائین آپ کو فون کرے گا جب وہ چاہے۔ اور ادھر سائین کا باپ

بھی آکر بولے کہ آپکو جانے دوں تو بی بی سائین میں آپکو اُن کے حکم پہ بھی نہیں جانے دوں گا۔ جب تک میرا

سائیں خود نہیں کہہ دیتا۔ آپ یہاں سے کہیں نہیں جاسکتا۔ گھر کی ساری چار دیواری پہ بجلی کی تاریں پڑی ہوئی ہیں۔ کچھ بھی الٹا نہ سوچنا۔ بی بی سائین آپ اندر جاؤ کھاؤ پیو آ آرام کی ہر چیز گھر پہ موجود ہے۔ اور سائیں کے حکم کا انتظار کرو"

وہ مزید کچھ بولے بغیر مرے ہوئے قدموں سے واپس ہو گئی۔ دماغ کچھ بھی سوچنے سے یک دم بیزار ہوا تھا۔ یہ تیوری چڑھائے کتنی دیر خاموش سی بیٹھی رہی کافی دیر بعد بچوں کی جانب دھیان گیا۔ دونوں کے ہاتھوں میں جوس کے گلاس تھے اور سامنے میز پہ چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں رکھی وہ یقیناً کھیر ہی تھی۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ "تمہیں یہ کھانے پینے کو کس نے دیا۔؟"

"دینا کس نے ہے یہاں ہے ہی کون؟ آپ؟ اور آپکو غصے میں کچھ اور یاد ہی کب رہتا ہے۔ ٹائم دیکھیں دس بج گئے ہیں۔ اور مجھے اتنی بھوک لگ رہی تھی تو کچن میں یہی نظر آیا۔"

"اتنا لمبا تعنہ مارنے کے لیے"

**Thank you so much abi!!**

اٹھ کر کچن کا رخ کیا۔ سارے کینبٹ کھول کر دیکھے پھر فریج کا جائزہ لیا۔ انڈے بریڈ چیز سبزیاں، گوشت، پھل ہر چیز موجود تھی۔ ٹوسٹ اور آلیٹ بنا کر بچوں کو آواز لگائی۔ اپنے لیے بس ایک کپ چائے بنا کر وہیں دونوں کے ساتھ ڈائینگ ٹیبل پہ بیٹھ کر گھونٹ گھونٹ پی ساتھ جذباتی پن کو ایک طرف رکھ کر ساری صورتحال کا جائزہ لیا۔ جو کچھ ہوا تھا اور جو کچھ ہو رہا تھا جیسے ہو رہا تھا۔ اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ سوچی سمجھی سکیم کا حصہ تھا۔ اور اس کے اپنے برابر کے شریک تھے۔ سب سے پہلے تو یہاں سے نکلنے کی ترکیب لگانی تھی۔ اور یا پھر اپنی انرجی ضائع کرنے کی بجائے تحمل سے انتظار کرنا تھا۔ مگر اس سے بھی ضروری اس وقت اپنا لباس بدلنا تھا۔ بچوں کو ٹی وی کے سامنے بیٹھا کر ابراہیم کو زری کا خیال رکھنے کی تلقین کرتی خود اندر کمرے میں آئی۔ دوپٹہ اتار کر ایک طرف رکھا۔ دو تین منٹ تک جائزہ لیا اور صفائی کا سامان ڈھونڈ کر کمرے کے فرش پہ بکھری سارے پرفیومز، کریٹیمیں سب کچھ جھاڑو کی مدد سے اکٹھا کر کے بن میں پھینکا۔ اب کمرے میں پاؤں رکھا جاسکتا تھا۔ الماریاں کھول کر اپنے لئے کوئی لباس ڈھونڈنا چاہا۔ سارے کام والے بھاری جوڑے تھے۔ جیسے کہ دلہنوں کے ہوتے ہیں۔

تن من میں گہرا درد جاگا تھا۔ " میری قسمت میں ازدواجی زندگی، کی خوشیاں ہیں ہی نہیں سب کو بتایا تھا مگر کوئی سنے تب ناں۔ " دھیرے سے الماری کا پٹ بند کر دیا۔ دوسرے حصے میں مردانہ باس موجود تھے جو کہ یقیناً اسی کے تھے جسکا یہ کمرہ تھا۔ وہ پٹ بھی بند کر کے پہلے والا ہی دوبارہ کھولا خوب ڈھونڈ ڈھانڈ کر سب میں سے سادہ لباس منتخب کیا۔ اُسپہ بھی ریشم کی کڑھائی ہوئی تھی۔ کھلے پیلے رنگ پہ سرخ کڑھائی تھی۔ لمبا شادر لینے کے بعد تیار ہو کر اور بالوں کو تولیے میں لپیٹ کر جب وہ واش روم سے باہر آئی تو گھنگھریالے بالوں اور نیلی کانچ آنکھوں والی کو ایک دفعہ پھراپنا منظر پایا۔

" ہاتھ روم جانا ہے؟ " نیچے کو اُسکے سامنے جھک کر پیار سے پوچھا تو کانچ میں ٹھہرے پانی میں لہر اُٹھی جواب صرف سر کو اثبات میں ہلا کر ہی دیا۔

شانزے نے اُسکا ہاتھ تھام لیا " آجاؤ شاباش " ( اور نہیں تو اس معصوم کا خیال ہی کر لیا ہوتا دو اجنبیوں کے ساتھ چھوڑ کر سارے کے سارے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو مر گئے۔ )  
 زری کے فارغ ہونے پر اُس نے زری کے کہے بغیر ہی فیڈر بنا دیا پروہ اس دفعہ خود ہی صوفہ پہ جا کر پینے کی بجائے شانزے کا دوپٹہ کھینچنے لگی۔

" زری میں کھانا بنا لوں تم اُدھر سیٹنگ روم میں ابراہیم کے پاس لیٹ کر دودھ ختم کر لو۔

No i want you to come

پہلے تو شانزے اُسکا منہ دیکھتی رہ گئی۔ پھر تصدیق کو پوچھا۔

Do you want me to come with you?

-Yes

دو تین سیکنڈ اُس معصوم چہرے کو دیکھا پھر گود میں اُٹھا کر سیٹنگ روم کا رخ کیا۔ جہاں ٹی وی ابھی بھی آن تھا مگر ابراہیم صاحب نیند کی وادیوں میں گھوم رہے تھے۔ شانزے صوفے پہ بیٹھی تو زری صوفے پر لیٹنے کی بجائے اُسکی گود میں لیٹ کر فیڈر پینے لگی اور اُدھر ہی سو گئی۔ خالی الذہنی کی حالت میں وہ کتنی دیر تک وہیں زری کو گود میں لیے بیٹھی رہی۔ پھر خیال آیا ابھی تو دونوں بچے سوئے ہیں اُنھیں گے تو ان کو بھوک لگی ہوگی خود بھی صبح کا

صرف ایک کپ چائے لیا تھا۔ رات بھی کچھ نہ کھایا تھا۔

احتیاط کے ساتھ زری کو صوفے پہ لٹایا اور کچن کا رخ کیا۔ ابراہیم سبزیوں، سے زیادہ گوشت کا شوقین تھا۔ اس لیے اسی کی پسند کو مد نظر رکھتے ہوئے آلو گوشت چڑھالیے۔ جب تک ابراہیم اور زری اٹھے وہ کھانا بنا کر نماز سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی۔ دن گزرنے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ نیند بھی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

میز پہ کھانا لگایا تو باہر دروازے پہ کھڑا گلاب کھن یاد آیا۔ اُس نے بھی تو کچھ نہیں کھایا ہوگا۔ بچارے پہ کیا غصہ کلام ہے۔ غریب! اڑے میں کھانا نکال کر ابراہیم کے حوالے کیا۔

سارا دن مختلف سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے گذرنا گریہاں سے نکلنا کیسے ہے اس سوال کا جواب ڈھونڈنے میں ناکام رہی تھی۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر تک ٹی وی کے سامنے بیٹھے پھر بچوں کو اُنکے بیڈروم میں لے آئی۔ اس سارے دن میں وہ بہت خاموش رہی تھی۔ جسے ابراہیم تو محسوس کر ہی رہا تھا۔ زری بھی پوچھ گئی۔ جب وہ ابراہیم کو گڈ نائٹ گس دیکر زری کو اُسکے اپنے بیڈ پہ لٹانے آئی زری نے اُسکے گلے میں بانہیں ڈال کر بڑی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

**Are you sad?**

یہ لڑکی مسلسل شانزے کو حیران کیے جا رہی تھی۔ بے اختیار مسکراتے ہوئے زری کو گدگدایا تو نیلی آنکھوں والی کی خوبصورت ہنسی سارے کمرے میں پھیل گئی۔

"اتنی سی تو تم ہو مگر ہو پوری دادی اماں۔ نہیں ہوں میں سیڈ!! اب خوش؟"

"ہاں خوش۔ مگر میں زری ہی ہوں دادی امی نہیں۔" اب کے شانزے کی کھل کر قہقہہ مارنے کی باری تھی۔

**Thanks to Zare mummy**

کہ جس نے آپ کو ہنس دیا اور نہ مجھے تو آپ کی طرف دیکھتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا۔ "شانزے نے زری کو بیڈ پہ لٹایا اور گردن موڑ کر اندھیرے میں ہی ابراہیم کو گھورا۔

"تم تو چپ ہی رہو ڈر کے بچے۔ اگر تم نے میری نصیحتوں سے ذرا بھی کچھ سیکھا ہوتا نا تو اس وقت ہم لوگ اس مصیبت میں نہ پھنسے ہوتے۔"

"مئی میں کیا کرتا جب نانائے منع کیا تھا آپکو ہارون چچا کے بارے میں بتانے سے"

"ابراہیم ساری دنیا کے فرما بردار رہنا سوائے ماں کے۔"

"سوری مئی مگر....."

"سوری مئی کے کچھ لگتے اب بس چپ کر کے سو جاؤ صبح نکالتے ہیں کوئی حل۔"

پر اندھیرے میں ایک دفعہ پھر ابراہیم کی آواز ابھری۔ "مئی ہارون چچا بڑے انسان بالکل نہیں ہیں بلکہ بڑی اچھی طبیعت کے مالک ہیں۔ مجھے وہ بہت پسند آئے ہیں۔"

زری کے ساتھ لیٹی شانزے کا ہاتھ جو زری کے بالوں میں دھیرے دھیرے چل رہا تھا، ابراہیم کی بات پہ ساکت ہوا۔ اپنی کیفیت پہ قابو پاتے ہوئے، مضبوط آواز میں بولی۔ "اب سو جاؤ ابراہیم گڈ نائٹ"

"آئی لو مئی! گڈ نائٹ"

اُسکے بعد کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ اندھیرے کمرے میں لیٹے ہوئے بھی شانزے کا دماغ کہاں سے کہاں کی پرواز کر رہا تھا۔ ابراہیم نے اپنی پسند کا اظہار کرنے کے بعد یہ بھی بتا دیا تھا۔ کہ پیار تم سے کرتا ہوں۔ اسلیے جو بھی تمہارا فیصلہ ہوگا۔ مجھے وہ ہی قبول ہوگا۔ اذیت سے لب کاٹ رہی تھی جب آنکھ سے پانی کا قطرہ ٹوٹ کر سر ہانے میں جذب ہو گیا۔ آج بھی شمن کی تصویر اُسکے تصور میں محفوظ تھی۔ اُس کا اک اک نقش اُسکی ہنسی کچھ بھی تو نہیں بھولی تھی۔

شفقت علی صاحب کا تعلق ایک کاروباری گھرانے سے تھا۔ دو بیٹے چار بیٹیوں میں شمن کا نمبر پانچواں تھا۔ بہت ہنس مکھ اور ملنسار طبیعت کی مالک۔ دھیمے لہجے اور گہری ذہین آنکھوں والی شمن ولی بخت کو پہلی نظر میں ہی پسند آئی تھا۔ جسکا اظہار شمن کے سامنے کرنے کی بجائے اپنی والدہ کے بے حد لاڈ لے ولی نے جا کر سیدھا اپنی ماں سے شمن کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار ڈنکے کی چوٹ پہ کیا۔ اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ اگر شادی کرنی ہے تو اسی لڑکی سے۔

دوسری طرف ولی کی والدہ انتہائی صدمے کا شکار ہوئیں کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ کہ اُنکے جگر کا ٹکڑا یوں اُنکے سامنے تن کر کھڑا ہوگا۔ وہ کسی صورت ولی کی پسند کو اپنی بہو بنا کر خاندان میں شامل کرنے کو تیار نہ

تھیں۔ ولی کو بھی خوب کھری کھری سنائیں گئی۔ کہ لاہور پڑھنے گئے تھے کہ ایسے گھٹیا مشغلے پالنے۔ مزید یہ کہ شادی ماں کی مرضی کی لڑکی کے ساتھ ہوگی۔ ولی چاہے تو جی بھر کر شور مچالے مگر فیصلہ ماں کا ہی ماننا پڑے گا۔ جواب میں ولی نے بھی بتا دیا کہ وہ بھی اُنہی کی اولاد ہے۔ کھانا پینا بول چال سب بند، تعلیم کو بھی خیر باد کہہ کر گھر بیٹھ گیا۔ والد اور بہن بھائیوں کی سپورٹ بھی اُسی کے ساتھ تھی۔ مزید انہوں نے فاطمہ بخت کو پریشر ایز کرنا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ماں تو گئیں۔ مگر جس دل سے مانیں تھیں۔ وہ اُنکے چہرے پہ صاف لکھا ملتا تھا۔ رشتہ لیکر جانے والوں میں بھی شامل نہ ہوں۔ ولی کے والد پھوپھی اور بھابھی شمن کے گھر گئے تھے۔ بڑے طریقے اور چاہت سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ دوسری جانب سے سوچنے کا وقت مانگا گیا۔ اور کچھ عرصہ اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے اور ولی تسلی کے بعد ولی کے حق میں فیصلہ سنا دیا گیا۔ منگنی پہ ولی بالکل نہ مانا دل میں ڈرتا کہ ابھی تو ماں مان گئی ہیں۔ اگر بعد میں مکر گئیں تو پھر؟ اس لیے سیدھا نکاح پڑھوایا۔ اور زنجستی فائل کے بعد ہوئی۔ چونکہ شمن اُس سے دو سال جو نیئر تھی اُس کی تعلیم درمیان میں ہی چھوٹ گئی۔

ولی شمن کی سوچ سے بھی اچھا شوہر ثابت ہوا۔ جسکی محبت میں شمن تعلیم ادھوری رہ جانے کا غم ہی کیا ساری دنیا کو ہی بھول گئی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ ایک سال کا عرصہ پلک جھپکتے میں گزر گیا۔ شمن کی فیملی کا اتنا آنا جانا نہیں ہوتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ دور کا سفر تھا۔ مگر وہ دونوں جب جی چاہتا لاہور کا چکر لگا آتے۔ ولی اپنی ماں کا لاڈلا بیٹا تھا۔ مگر شمن لاڈلی بہونہ تھی نہ ہی بن پائی۔ ولی اور اپنے شوہر کی موجودگی میں تو اُسکے ساتھ ماری بندھی بات کر ہی لیتیں مگر اُن دونوں، کی غیر موجودگی میں جن نظروں سے دیکھتیں اور جو لفظوں کے تیر مارتیں وہ شمن بچاری کا دل لہو لہان کرنے کو بہت کافی ہوتے تھے۔ شاید زیادہ نقصان نہ ہوتا جو وہ انتہائی حساس طبیعت نہ رکھتی ہوتی۔ جب اُسے ماں بننے کی خوشخبری ملی سب سے پہلے یہ بات اُس نے اپنی ساس کو ہی بتائی یہ سوچ کر کہ یقیناً یہ خبر اُنکا دل شمن کے حق میں نرم کر دے گی۔ مگر اُنکا رد عمل بالکل سرد تھا۔ وہ پہلے ہی اپنے بیٹے کی حرکتوں سے چڑی بیٹھی تھیں۔ جس کو شادی کے سال بعد بھی شمن کے علاوہ کچھ نہیں سوچتا تھا۔ کیونکہ اُنکے دل میں یہی منصوبہ تھا۔ کہ شادی ہو گئی کچھ عرصے بعد شمن کا بھوت سر سے اتر جائے گا۔ تو وہ اپنے شہزادوں سی آن والے بیٹے کو اپنی مرضی کی جگہ بیاہیں گی۔ مگر اب شمن کیا جاتی بلکہ ایک اور فرد کو لا رہی تھی اُنکے زخموں پہ نمک



چھڑکنے کے لیے۔ وہ یہ بھی بھول گئیں کہ دنیا میں آنے والا وجود انکا اپنا خون ہی تو ہے۔ اب تو اٹھتے بیٹھتے شمن کو طے دیے لگیں۔ جو کہ زیادہ اسی وقت دئے جاتے جب ولی اور بابا گھر پہ نہیں ہوتے تھے۔ وقتاً فوقتاً بڑی بہو اور دوسری اولاد نے ماں کو سمجھانا تو چاہا پر کامیاب نہ ہو پائے۔ کھلے عام کہتیں۔

"نہ جانے کیسی تربیت دیکر ماں باپ بیٹیوں کو گھروں سے نکالتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں ہماری بیٹیاں تو تعلیم حاصل کرنے ہی گئیں لوگوں کی طرح اچھے رشتے پھنسانے نہیں۔"

اور اسی طرح کی کئی باتیں جو کہ شمن جیسی لڑکی کے لئے کڑی آزمائش تھیں۔ ولی یا اپنے ماں باپ سے تو کچھ نہ کہنے کی تو جیسے قسم کھا رکھی ہو۔ بڑی بہنوں اور بھائیوں کو بھی کبھی کوئی ہوانہ لگنے دی۔ مگر ایک ہستی ایسی ضرورتی جس سے کھایا پیا تک ڈسکس کرنے کی بہت پرانی عادت تھی۔ اپنے اندر کے سارے آنسو شانزے کے سامنے بہا کر کسی کو کچھ نہ بتانے کا وعدہ لیکر ہلکی ہلکی مٹھلکی ہو جاتی۔ ہو سکتا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ فاطمہ اُسے قبول کر ہی لیتیں۔ آخر انکے عزیز از جان بیٹے کی محبت تھی۔ وہ کب تک اُس سے ناراض رہتیں۔ مگر وقت نے مہلت ہی نہ دی۔ ابراہیم کی پیدائش لاہور میں ہوئی تھی اور اُسکی پیدائش کے ایک ماہ بعد ہی ولی سے برداشت نہ ہوا تو لینے آ پہنچا۔ اُس رات دونوں ڈاکٹر سے یہی پوچھنے گئے تھے۔ کہ آیا شمن سفر کر سکتی ہے یا ابھی نہیں ننھے ابراہیم کو گھر پہ اماں کے پاس چھوڑا ہوا تھا۔ سفر کی اجازت لینے گئے دونوں اس خوفناک حادثے کا شکار ہو کر لمبے سفر پر روانہ ہو گئے جہاں سے کبھی واپس نہیں آنا تھا۔ اُس سفر پہ نکلنے سے پہلے دونوں نے اپنی معصوم جان کو بتایا تک نہ۔ گاڑی آئل ٹینکر سے ٹکرائی تھی۔ اور سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ اور بد قسمتی سے ہر آئے دن ایسے حادثات ہوتے ہیں۔ جنکی آج تک ایک دفعہ بھی تفتیش نہیں ہوتی کہ آیا مذمہ دار کون ہے؟ دونوں موقعے پہ ہی جان بحق ہو گئے تھے۔ اور شمن کے گھر والوں پر دوسرا صدمہ تب ٹوٹا جب ولی کے گھر والے صرف ولی کی لاش لیکر واپس چلے گئے۔ شمن کا ذکر تک نہ کیا۔ شمن تو ادھر تھی بھی نہیں وہ تو پہلے ہی اپنے ولی کے ساتھ بہت دور جا چکی تھی۔ مگر پیچھے رہ جانے والی جان کو بھی سب بھول گئے۔ جب ولی کے گھر والوں کی طرف سے کسی نے رابطہ نہ کیا تو غم و غصے کی وجہ سے ادھر سے بھی کسی نے رابطہ نہ کیا۔

اس حادثے کا سب سے زیادہ اثر لیا ہی شانزے نے تھا۔ ایک تو دوستوں سے بڑھ کر پیاری بہن منوں مٹی

تلے جاسوئی۔ اوپر سے اُسکے سُسرال والوں کی خاموشی اور سب سے بڑھ کر ابراہیم کی ذات کو مکمل فراموش کر دیئے جانے کا ڈکھ۔ تب شانزے نے صرف فرسٹ ایئر کلیر کیا ہوا تھا۔ لا ابالی سی شانزے سے کسی کو یہ اُمید نہ تھی کہ وہ شمن کی اولاد کے لیے اتنا کچھ کر جائے گی۔ اُس نے ابراہیم کی مکمل ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ بہنوں بھابھیوں اماں ابو نے سمجھایا کہ ہم ہیں تو تمہیں تعلیم چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ ابراہیم کو ہم دیکھ لیں، گے۔ مگر شانزے نے ادھر بھی سب کو حیران کر دیا۔ نہ اُس نے تعلیم چھوڑی نہ ابراہیم کی نگہداشت۔ ابراہیم کی عمر پانچ برس تھی جب اُس نے عدالتی کارروائی کر کے اُسے اڈاپٹ کر لیا تھا۔ شمن کو سوچتے نہ جانے کب اُسکی آنکھ لگ گئی تھی۔ ایک دم سے آنکھ کھلی تو وہ فوراً زری کے بیڈ میں سے نکل آئی۔ کمرے میں نائٹ بلب جلا کر اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے ہال میں داخل ہوتے ہی نظر سامنے دیوار پہ لگے جن ساز کے وال کلاک پر پڑی۔ ابھی نماز کا وقت تھا۔ نماز ادا کرنے کا فیصلہ کرتی وضو کی نیت سے واش رو م کو گئی۔



اُس نے رات چھوڑ دو پہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ شام کے وقت کچھ ملنے والے آئے تو، وہ بابا سائیں کے ساتھ ہی اوتاک میں آیا تھا۔ تو ملنے والوں کے جانے کے بعد بابا سائیں کو اُس نے ملازم سے بول کر گھر پہنچو دیا تھا۔ کیونکہ باہر ٹھنڈ ہو رہی تھی جس سے اُنہیں مسئلہ ہو جاتا تھا۔ وہ خود اس وقت ٹھنڈا اور اندھیرے سے لاتعلق سا وہیں باغ میں لگی کرسیوں میں سے ایک پہ نیم دراز تھا۔ ابھی گھنٹہ بھر پہلے اُسکا بڑا بھتیجا پیغام لیکر آیا تھا۔ کہ گھر پر سب بنا رہے ہیں۔ مگر اُسے اُٹھتے نہ دیکھ کر وہ اپنی گرم چادر اُس کے اوپر ڈال گیا تھا۔ اس وقت وہ خود اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا۔ نہ کسی سے بات کرنے کو جی چاہ رہا تھا نہ کسی کی آواز سننے کو۔ سامنے میز پر پڑے اُسکے موبائل کی سکرین بار بار روشن ہو رہی تھی۔ مگر وہ ہاتھ بڑھا کر اُٹھانا نہیں چاہ رہا تھا۔

"سائیں آپ اندر چلے جائیں ہیٹر لگا ہے، ادھر کھلے میں تو بڑی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔"

"سائیں آپ کہیں تو ادھر کو نلے جلا دوں؟"

"اؤ نہیں یار!! کوئی ضرورت نہیں۔ تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ کچھ بھی چاہیے ہو تو تمہیں ہی آواز دوں گا"

جاؤ شبا شاش" ملازم کو جواب دینے کے دوران تھوڑا سا آگے کوچھک کر اپنا موبائل اٹھایا۔ ٹسپ پ پ بہنوں کے میسجز کی بھرمار ہوئی پڑی تھی۔ بڑی آپا کا پہلے کھولا۔

"ہارون میری جان تمہاری پہلی شادی میں تو ہم وہاں نہیں تھے۔ تو نہ شامل ہونے کا دکھ ہوا تھا۔ مگر اب تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو مگر کوئی مزا نہیں آیا!!! ایسی ہوتی ہیں شادیاں؟؟؟"

اُس نے بے دلی سے دوسرا میسج کھولا

"اف بیٹھے رہیں تصویر جاناں کئے ہوئے" خود ادھر بیزار خان بنے بیٹھے ہو اُداس اداس اور چند مکھی پارو کو وہاں قید کر آئے ہو۔ اتنے ظالم کب سے ہو گئے ہو؟ یا تو خود ادھر جا دیا ہمیں جانے دو"

"اس طرح اُسے اکیلا چھوڑ کر تم شانزے کو اور بدن کر رہے ہو۔" آخری میسج بھابھی کی طرف سے تھا۔ سنجیدہ تاثرات سمیت اُسکی انگلیاں کی پیڈ پرتیزی سے دوڑیں۔ "آپ لوگ اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھیں وہ میری بیوی ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مجھے اُسکو کیسے قابو کرنا ہے۔"

دوسری طرف سے لمبی ہنسی کے ساتھ جواب لکھا آیا تھا کہ "بڑے آئے بیوی والے ادھریوں چھپ کر بیٹھے ہوئے ہو بھوک پیاس تک مری ہوئی ہے"

اُدہ لیڈیز پلیز.....!!!

وہ فون دوبارہ میز پھڈالنے لگا تھا کہ جب بابا کی کال آئی نا چار اٹھانی پڑی اور کوئی چارہ تھا کیا؟

"جی؟؟؟"

"چمن بتا رہا ہے کہ تم ابھی تک وہیں باغ میں بیٹھے ہوئے ہو" (پوتے کا حوالہ دیا)

"جی بابا سائیں موسم اچھا ہے نا تو انجوائے کر رہا ہوں۔"

"ہارون بخت!"

"جی بابا؟"

"اگلے دس منٹ کے اندر اندر اگر تم وہاں سے اٹھے نہیں تو یہ تمہاری بہنیں اور بھابھی شانزے سے ملنے کو بہت بے چین ہیں۔ میں ان سب کو ڈرائیور کے ساتھ کراچی بھیج دوں گا۔ احمق انسان بچوں کو بھی ادھر چھوڑ آئے

ہو۔ سوچا بھی نہیں اُن پر کیا اثر پڑے گا۔ بھیج رہا ہوں سب کو پھر جو گا دیکھا جائے گا!"

(ہونا کیا ہے بابا سائیں دوسری جانب سے ایسی بمبارمنٹ ہونی ہے کہ بس) دل میں سوچتے ہوئے زبان سے صرف اتنا کہا "جی اچھا" ساتھ ہی دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا۔ بابا کی طرف سے ملنے والے وقت میں جب دو منٹ رہ گئے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ موبائل جیب میں ڈالا بالوں میں ہاتھ چلا کر دماغ تھوڑا ٹھکانے لگایا۔ اپنی جیبیں ٹٹول کر چابی نکالی اور گاڑی کی طرف آگیا۔

☆.....☆.....☆

گلاب مکھن نے گیٹ پہ ہارون کی گاڑی کا ہارن پچپانتے ہوئے جب دوڑ کر گیٹ کھولا اُس وقت رات کے پونے ایک کا وقت تھا۔ گیٹ کھلتے ہی وہ گاڑی اندر لے آیا۔ انجن بند کر کے باہر نکالا گلاب کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اُس سے یہ نہیں پوچھا کہ ""بی بی تو اندر ہی ہے ناں "" بلکہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔ اپنے پاس موجود چابی سے ہال کا لاک کھول کر سیدھا کچن میں آیا۔ کیونکہ ایک بات کا جیسے یقین تھا کہ باقی کے سب دروازے کھلے مل سکتے ہیں، سوائے ایک کمرے کے اور اُسی کی چابی لینے کے لیے وہ کچن میں آیا تھا۔ چابی نکال کر پلٹنے سے پہلے اُسکی نظر برتنوں پر پڑی حیران بالکل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ڈھکن اٹھا کر جائزہ لیا۔ آلو گوشت کے ساتھ مٹر پلاؤ رائتہ ہر چیز موجود تھی۔ خود کلامی کی۔

"اب اگر میں یہ چاہوں کہ وہ خود آ کر اپنے ہاتھوں سے کھانا نکال کر میرے سامنے رکھ کر بھنڈا صرار کھانے کو بولے۔ تو ایسا سوچنا ہی فضول ہے۔ صبح سے ڈھنگ کی کوئی چیز اندر نہیں گئی یوں خالی پیٹ اُسکا مقابلہ خاک کر سکوں گا۔ وہ تو پہلے ہی وار میں مجھے مار گرائیگی۔" اپنی سوچ پہ ہنستے ہوئے اُس نے اپنے لیے کھانا نکال کر گرم کیا تسلی سے کھایا پانی دودھ پی کر وہاں سے نکلا اس دوران یہ تو کنفرم ہو گیا تھا کہ وہ سو رہی تھی، پہلے بچوں کے کمرے میں چکر لگایا دونوں کو سوتے میں پیار کیا۔ پھر اپنے محاذ کی طرف پلٹا۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے میں کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ کمرے میں نائٹ بلب تک روشن نہیں تھا۔ جسے اُس نے اُسی خاموشی سے جلا دیا۔ پھر چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا۔

ڈھیروں گھن اور دو چار سر ہانے اپنے ارد گرد رکھے نرم گرم بیڈ پہ بڑے سکون سے محو خواب تھی۔ وہ نماز پڑھ

کر سونے کے لیے لیٹی تھی کل رات کی شب بے خوابی اور ٹینشن کی وجہ سے وہ تھکی ہوئی تھی فوراً سو گئی۔ اس وقت اُسکے چہرے پہ بڑی زماہٹ اور سکون دیکھ کر وہ بے آواز گنگنا گیا تھا۔

”میری نیند گئی میرا چین گیا اور چین سے وہ سوتے ہیں۔“

☆.....☆.....☆

گہری نیند میں اُسے یہ احساس ہوا تھا کہ جیسے مسلسل فون بج رہا ہو۔ بڑی مشکل سے تھوڑی سی آنکھیں کھول کر ہاتھ سے ٹٹول کر سائینڈ ٹیبل پہ رکھا فون پکڑ ہی لیا۔ آن کر کے کان پہ رکھا۔

”ہیلو؟“ نیند میں ڈوبی آواز کا جواب دوسری طرف سے بہت فریش اور چاک و چوبند لہجے نے دیا۔

”ہیلو میم معذرت چاہتی ہوں کہ آپکی نیند خراب کی مگر پلیز کیا سر سے بات ہو سکتی ہے؟“

”کون سر؟“ کس کی بات کر رہی ہو؟“

”میم ایم ایکسٹریملی سوری جانتی ہوں بے وقت آپکو تنگ کیا۔ پر یقین مایے ضروری کام نہ ہوتا تو کبھی زحمت نہ دیتی“ خوبصورت لب و لہجے والی نے کیوں اتنی لجاجت سے معذرت کی شانزے کے پلے کچھ نہ پڑا

”پتا نہیں کیا کہہ رہی ہو مجھے تمہاری کسی بات کی سمجھ نہیں آرہی۔ اور یہ کس کو سرس بول رہی ہو؟“

”میم میں ہارون سر کی بات کر رہی ہوں“

”کون ہارون؟“ اتنی معصومیت سے پوچھا گیا کہ دوسری طرف موجود لڑکی کنفیوز ہو گئی کہیں غلط نمبر تو نہیں ملا

لیا۔ فوراً سے نمبر چیک کیا۔ نمبر تو وہی تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی شانزے فون بند کر چکی تھی۔ کمرے کا ماحول اس قدر سکون تھا کہ دو سیکنڈ بعد وہ واپس نیند میں تھی۔ جب فون دوبارہ بجا تو ابھی تک اُسکے ہاتھ میں ہی موجود تھا ہڑ بڑا کر آن کر کے کان پہ رکھا۔ ”جی؟“

”میم میں روشنانے بول رہی ہوں۔ معذرت چاہتی ہوں دوبارہ تکلیف دینے پہ مگر پلیز سر سے بات کروادیں۔“

”روشنانے؟؟ ایک منٹ کیا کبھی تمہیں کسی نے یہ بتایا ہے کہ تمہاری آواز بڑی خوبصورت ہے۔“

دوسری جانب سے روشنانے کی جھینپی سی آواز آئی۔ ”تھینک یو میم“

”بات سنو تم مجھے میم میم کہہ کر کیوں بنا رہی ہو۔“ بات کرنے کے ساتھ ہی اُس نے مدھم سا قہقہہ مارا ایک

سر ہانا سر کے نیچے تھا دوسرا سر کے اوپر آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔

اُسکوئوں ہنستا دیکھ کر بڑی مشکل روشانی نے اپنی ہنسی روکی۔ ”میم اسلیے کہ آپ میرے باس کی مسز ہیں“  
”استغفر اللہ کب کی میں نے تمہارے باس سے شادی؟“

اس سے پہلے کے وہ دوسری جانب سے روشانی نامی لڑکی کا جواب سنتی کسی نے اُسکے سر پہ موجود سر ہانا ہٹایا پھر بغیر اجازت کے فون اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔

”ہاں مس روشانی بتائیے؟“ بھاری مردانہ آواز اور وہ بھی شانزے کے پہلو سے ابھری تھی۔

حیرت کی شدت سے پورے جوش کے ساتھ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ہارون کو نہ دیکھ سکی جو کہ اُسی کی جانب کو  
تھکا ہوا آنکھیں مسلتے ہوئے نیند بھگانے کے چکر میں تھا۔ دھڑم کی آواز کے ساتھ دوسرا تہی زور سے ٹکرائے تھے  
کی اللہ جھوٹ نہ بلوائے رکلیش کی آواز فون پہ موجود مس روشانی نے بھی سُنی تھی۔

ایک پل کو فون نیچے کر کے اُس نے قریب بیٹھی شانزے کی آنکھوں میں تشویش سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
”تم ٹھیک ہو؟“

جواب میں وہ ہکا بکا اُسکی شکل دیکھ رہی تھی۔ ”تنت تم کہاں سے آئے؟؟؟“

اُس کے سوال کو نظر انداز کرتا وہ واپس فون کی جانب متوجہ ہوا۔

”مس شانزے اگر بھٹی صاحب اسپیکشن کے بعد مال کو رد کر چکے ہیں تو پھر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ مال  
رکھا جائے۔ آپ آرڈر والے ٹرک واپس بھجوادیں اور اُس کمپنی کے مالک کو لکھ دیں کہ ایک ہفتے میں اگر ہمارے  
معیار کا مال ڈلیور نہ کیا گیا تو کسی اور کمپنی سے رابطہ کریں گے۔ ان لوگوں کے ساتھ ہماری ڈیل ختم ہو جائے گی۔“  
”ٹھیک ہے پھر آپ مجھے اپ ڈیٹ کر دینا کیا پروگریس ہوتی ہے۔“

”جی سر! سرایم سوری میں جانتی نہیں ہوں کہ فون اٹھانے والی ہستی واقعی آپ کی مسز تھیں۔ میں مسز ہارون  
سمجھ کر مخاطب ہوئی ہوں جو کہ شائد انہیں بُرا لگ گیا۔“

ہارون مسکراتے ہوئے بیڈ سے اتر گیا۔ ”اس میں معذرت کرنے کی تو کوئی بات نہیں ہے مس روشانی  
اصل میں اُن کی ساری انرجی حقیقت کو جھٹلانے میں صرف ہو رہی ہے“

”میں آپکا مطلب نہیں سمجھی سر“

”مس روشا نے سیر نیسلی کیا آپ چاہتی ہیں کہ رات کے تین بجے میں آپکو اپنی وائف کے میموری لاس کی وجہ سمجھاؤں؟“ اتنی غیر سنجیدہ بات وہ انتہائی سنجیدہ انداز میں کر رہا تھا۔ مس روشا نے تو اسی وقت لائن کاٹ دی۔ اپنے بالوں میں ہاتھ چلا کر آنکھوں کے اوپر گرنے والے بالوں کو پیچھے کرتا وہ سوئچ بورڈ کی طرف آیا۔ لائن آن کر کے بیڈ کی جانب دیکھا۔ شانزے دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسے دیکھ کر جو پہلا خیال ذہن میں آیا۔ اُسی کے متعلق سوال کر دیا۔

”تمہیں چوٹ تو نہیں لگ گئی؟“ ہارون کے سوال پر اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی مدد سے بالوں کا جوڑا سا بنایا اور نظر اٹھا کر ہارون کو دیکھا جو کہ کمرے کے وسط میں کھڑا سوالیہ نظروں سے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آ رہا کہ میں ہوں کہاں؟“

ہارون اُسکی بات پہ بڑی خوبصورتی سے مسکراتا ہوا کمرے میں موجود ڈبل صوفے کی جانب بڑھ گیا۔ ”اگر تم میرا یقین کرو تو اس وقت تم جنت میں ہو“

شانزے کا ذہن قدرے بیدار ہو چکا تھا۔ دوپٹہ کھول کر شانوں پہ پھیلاتے ہوئے بڑے تخیل سے بولی۔ ”جنت میں ہوں تو تم میرے ساتھ کیوں ہو؟ جھوٹے اور دھوکے باز لوگ کب سے جنت میں بسنے لگے؟“

ہارون نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں اپنی ٹانگیں اٹھا کر پاؤں میز کی سطح پر رکھے۔ اور نیم دراز ہوتے ہوئے شانزے کو جواب دیا۔ ”یہ تو تمہاری معاملہ نہیں ہے، تم حقیقت کو اُس کے اصل رنگ میں دیکھتی ہو یا کہ اپنی انا اور غصے کی نظر سے۔ بجائے یہ سوچنے کے کہ یہ جھوٹا اور دھوکے باز انسان جنت میں کیسے آ گیا۔ یہ بھی تو سوچا جاسکتا ہے نا کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہوتا تو جنت میں موجود نہ ہوتا۔“

شانزے نے بیڈ کے کنارے سے پاؤں نیچے اتارے ”تمہاری کہی ان دو لائنوں سے ہی مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ کس خوبصورتی سے تم نے اپنی وکالت کر کے میرے ماں باپ کو شیشے میں اتارا ہوگا۔“

اُس پہ واضح چوٹ کر کے اپنی جگہ سے اٹھی رُخ واں روم کی جانب تھا۔ پھر زک کر اُس کی طرف دیکھا۔ ”میں سوری کرنا چاہتی ہوں اصل میں بہت دنوں بعد اتنی گہری نیند لینے کا وقت ملا تھا۔ اور سوتے میں یہی لگا کہ

میرا ہی فون بج رہا ہے اور نہ جانے میں نے فون پہ کیا کیا کہہ دیا ہے۔“

”فکر نہ کرو شانزے فون پہ نیند میں ہونے کے باوجود بھی تم نے وہی باتیں کی ہیں جو کل سے جاگتے میں کرتی آرہی ہو“

شانزے نے اُسے گھورا اور آگے بڑھ گئی۔ ایک بات پریشانی کی حد تک اُسے کنفیوزن کا شکار کر رہی تھی۔ اور سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اپنے اس نئے پیدا ہو جانے والے خدشے کی نفی کرے یا خوش ہو۔ نہیں خیر خوشی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جب تک وہ اس چار دیواری میں موجود تھی۔

ہارون اُسکے واش روم میں بند ہو جانے کے بعد وہیں صوفے پہ بیٹھ کر پاؤں جھلاتے ہوئے کسی گہری سوچ میں تھا۔ دو چار منٹ بعد واش روم کا دروازہ کھلا.....۔۔۔

”میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ تم پریشان ذکھی سی بیٹھی نیر بہا رہی ہوگی۔ مگر مجھے کہنا پڑے گا کہ جس طرح ایک اجنبی جگہ پر پہلے ہی دن تم نے اپنا گھر سمجھ کر کھانا بنایا، صفائی کی 'بچوں کا خیال کیا۔ خاص کر میری بیٹی کے لئے تو ایک دفعہ بھی کھن کا فون نہیں کیا۔ اور جس قدر گہری وندرسکون نیند تم سو رہی تھیں۔ یہ سب دیکھ کر مجھے خوشی تو ہوئی ہی ہے پر حیرت بھی ہو رہی ہے۔“

”میں تو خواہ مخواہ ہی ڈر رہا تھا، تم تو بہت آئیڈیل بیوی ثابت ہونے والی ہو“

وہ اب پوری طرح بیدار تھی اسلیے بڑے مضبوط لب و لہجے میں پوچھا، ”کہہ چکے ہو یا کچھ اور بھی کہنا ہے؟“ ہارون نے اپنی نرم تاثر دیتی ہوئی نگاہیں شانزے پہ ڈالیں۔ جو آنکھوں میں واضح چیلنج لیے کھڑی تھی۔ کچھ لمحے دیکھتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اُسکے قریب آیا اور یہ دیکھ کر کوئی حیرت نہ ہوئی کہ اُسکے قریب آنے پہ شانزے کے اعتماد میں کوئی فرق نہ آیا وہ ویسے ہی اپنے پیروں پہ جمی کھڑی رہی۔ جیسے ہر طوفان کا مقابلہ کرنا جانتی ہو۔ ہارون کی نظروں میں اُسکے لیے اپنائیت اور لگاؤ تھی تو شانزے کی آنکھوں میں سرد مہری اور لاتعلقی کا تاثر تھا۔

”کل تمہاری نفرت اور غصہ دیکھنے کے بعد میں یہ سوچ کر یہاں سے گیا تھا کہ اب واپس تب تک نہیں آؤں گا۔ جب تک تمہاری ناراضگی ختم نہ ہو جائے۔ مگر اب یہ سوچ کر آ گیا ہوں کہ تمہاری ناراضگی مجھ سے ہے اور ختم بھی مجھے ہی کرنی ہے۔ وقت نے نہیں۔ تمہارے ہر سوال کا جواب میرے پاس ہے۔ میں تمہیں بتا سکتا



ہوں کہ بہت سی باتیں صرف غلط فہمی کی بنا پر ہیں۔ اور باقی کی غفلت ہے۔ مگر ان سب باتوں کے جواب دینے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے دیکھو۔“

وہ جو نظریں سامنے دیوار پہ ٹکائے مسلسل گھور رہی تھی۔ نظر موڑ کر اک نگاہ اپنے سے دو قدم کی دوری پہ کھڑے شخص پہ ڈالی۔ ڈارک براؤن، شلو اور سوٹ جس پہ سلوٹیں پڑ چکی تھیں۔ پیروں میں لیدر کی چمپل 'پیشانی پہ بکھرے اُلجھے سے بال' آنکھوں میں نیند پوری نہ ہونے کی چغلی کھاتی سُرخ 'دونوں ہاتھ پشت پہ باندھے بڑی غور سے شانزے کو دیکھ رہا تھا۔ اتنا رُف حلیہ ہونے کے باوجود وہ ہندسہ لگ رہا تھا۔ یہ اُسکے دیکھنے کا انداز ہی تھا جس نے شانزے کو نظر چُرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ (کمبنا مجھے سڈ یوز کر نیکی چکر میں لگتا ہے ”مگر میں شانزے ہوں جسے تم نہیں جانتے ہو ہارون بخت“)

”شانزے تمہیں لگتا ہے کہ میں نے ابراہیم کو حاصل کرنے کے لئے تم سے شادی کا ڈھونگ رچایا ہے۔ میری طرف دیکھو شانزے میں اکتیس سال کا ایک خود مختار اور آزاد مرد ہوں 'اپنی زندگی کے فیصلے بغیر کسی جذباتی پن کے مکمل آزادی کے ساتھ کرتا ہوں۔ سالوں ہو گئے اپنے خاندان کے اندرونی و بیرونی مسائل کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ قانون کے ساتھ دن رات کا واسطہ رہتا ہے۔ تو میری پیاری شانزے ”مخدوم ہارون بخت“ اتنا بے بس مرد نہیں ہے کہ اُسے اپنے ہی خون کو واپس اپنے گھر لانے کے لیے ایک فضول سے تعلق کو اپنے پاؤں کی بیڑی بنانا پڑتا۔ اس لیے ایک بات اپنے دل و دماغ پہ لکھ لو تم یہاں ابراہیم کی وجہ سے نہیں آئی ہو۔ ابراہیم سے ملنا یا اُسے ادھر لانا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں عدالت سے رجوع کر سکتا تھا۔ تمہاری فیملی کے ذریعے مل سکتا تھا۔ اس شادی سے پہلے بھی تو ملتا ہی رہا ہوں، تمہیں تو بہت بعد میں خبر ہوئی تھی۔ وہ بھی تمہاری فیملی کے بتانے پر نہیں بلکہ تم نے خود بائے چانس ابراہیم کو میرے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ ابراہیم کو اغوا کروا لیتا یقین مانو تم کبھی مجھ تک پہنچ نہ پاتیں۔ میں تمہارے گھر اتنے سالوں بعد گیا ابراہیم سے ملنے ہی تھا۔ وہاں ہم لوگ تمہارے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ جب تمہارے والد صاحب نے ابراہیم کے حوالے سے تمہارے جذبات پہ روشنی ڈالی تھی۔ یقین مانو میں واپسی پہ سارا راستہ حیران ہوتا آیا تھا۔ کہ آیا ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں؟ اور دوسرے لفظوں میں اس بات پہ حیران رہ گیا تھا کہ کیا میری تلاش یوں ختم ہوتی تھی۔“

اُسکی آخری بات پہ شانزے کا ضبط جواب دے گیا تب سے خاموش کھڑی اپنی برداشت کی حدناپ رہی تھی۔ ”اوہ فارگا ڈسک اس قسم کے چیپ ڈائلاگز اگر مجھ جیسی لڑکی پہ اثر کرتے ہوتے ناں تو کامیابی صرف تمہارے قدم ہی نہ چومتی تم سے پہلے ہی کوئی یہ سعادت حاصل کر چکا ہوتا۔ اس لیے ایسا کوئی تکلف کئے بغیر بات کرو تو شانڈ میں سن بھی لوں اور وائز اپنی انرجی ضائع نہ کرو“

ہارون کے اطمینان میں رتی بھر فرق نہ آیا اسی طرح اعتماد سے اپنے قدموں پہ جم کر کھڑا رہا ”تم میری بات کا یقین کرتی ہو یا نہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حقیقت یہی ہے فیصلہ انہی پلوں میں ہو گیا تھا کہ تم ہی میری منزل ہو۔ تو بتاؤ شانزے میں کیسے اور کیوں وقت ضائع کرتا؟؟ جب میں یہ جان گیا تھا کہ تم میری فیملی سے کس قدر متنفر ہو۔ اُس صورت میں مجھے کیا پاگل کتے نے کاٹا تھا۔ کہ تمہارے سامنے آ کر کہتا شانزے یا راتہاری اور میری سوچ ایک ہی سمت میں جاتی ہے۔ اور مجھے لگتا ہی نہیں بلکہ یقین سا ہے کہ ہم دونوں اچھی زندگی گزاریں گے۔ تمہیں میری بات پہ یقین کرنا ہوگا جب میں کہہ رہا ہوں کہ اُس دن لاہور سے واپس کراچی کے سفر کے دوران میں نے تمہارے اور اپنے بچے دیکھے ہیں بڑے خوبصورت صحت مند اور شرارتی ہیں۔ تم مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتی ہو مگر تمہیں مجھ سے شکوے بھی ہزاروں ہیں جن میں سرفہرست یہ کہ میرے بے جالا ڈیپار نے بچوں کو بگاڑا ہوا ہے وہ حد سے زیادہ چاکلیٹ کھاتے اور ویڈیو گیمز کھیلتے ہیں۔“

اُس نے ہارون کو درمیان میں ٹوک دیا۔ ”بس کرو ہارون بخت اور ہاں کہانی تم نے بلاشبہ بہت خوب بنائی ہے، ذرا غور سے میری شکل دیکھو کیا اس پہ لکھا ہے کہ میں اتنی بیوقوف ہوں کہ میرا دشمن میرے سامنے آ کر مجھے پسند کرنے اور میرے ساتھ گھر بسانے کا دعویٰ کرے گا اور میں سو بسو اللہ کر کے اُسکے سینے سے لگ جاؤ گی کہ ہاں تمہاری مکاری کے انتظار میں ہی تو میں اتنے سالوں سے بیٹھی ہوئی ہوں۔ اب تم اس زہر کو جتنا مرضی چاکلیٹ کی کوٹ کرو ہضم نہیں ہونا۔ تم نے دھوکہ دیا ہے۔ میرے گھر والوں نے دھوکہ دیا ہے۔ تم میرے سامنے آ کر مجھے پرپوز کرتے تو ہاں میرا جواب تب بھی نہ میں ہونا تھا۔ اس وقت دھوکے سے ہی سہی مگر میرے شوہر بنے سامنے تن کر کھڑے ہو۔ مگر میں اب بھی انکار کرتی ہوں۔ نہیں رکھنا تعلق تمہارے ساتھ کیونکہ مجھے تم سے تمہاری فیملی کے ہر فرد سے نفرت ہے۔ میری بہن کے ساتھ جو تم لوگوں نے کیا۔ اُس کے بعد سوچا بھی کیسے کہ شانزے تم سے

ٹوٹ کر محبت کرے گی تمہارے بچے پالے گی؟“ خونخوار آنکھوں سے مسلسل ہارون کو گھوڑ رہی تھی۔

”شانزے تم جانتی ہی کیا ہو میرے بارے میں جو مجھ سے نفرت کی دعویٰ دار ہو اور محبت ہو جانے کے امکان سے ہی انکاری ہو؟ جہاں تک رہیں ثمن بھابھی تو ان کے بارے میں تم بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو۔ پرسٹی مجھے وہ میری دوسری بہنوں جیسی ہی عزیز تھیں۔ گھر کے ہر فرد نے انہیں پیارا اور مان ہی دیا تھا۔ ماسوائے اماں جی کے۔ ہاں وہ تھیں کچھ کڑی قسم کی روائتی۔ انہیں غصہ تھا کہ ولی بھائی نے ان پے ثمن بھابھی کو فوقیت دی۔ بھائی کی شادی وہ اپنی مرضی سے کرنا چاہتی تھیں۔ وقت کے ساتھ انہوں نے حقیقت کو قبول کر ہی لینا تھا۔ اب ان کی محبت کا اندازہ اسی سے لگا لو کہ بھائی کے چالیسویں کے روز امی بھی دنیا چھوڑ گئیں تھیں۔ ان سے اپنے پیارے بیٹے کی جواں مرگی برداشت نہیں ہوئی۔ یارا ہم لوگ تو پھر درپہ نقصان اٹھاتے آئے ہیں۔“

ایک مجروح سی مسکراہٹ لبوں پہ سجائے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اور ناچاہتے ہوئے بھی اُسکی بات سننتی وہ ایویں ڈریسنگ پہ رکھی بچ جانے والی چند ایک چیزیں چھیڑ رہی تھی۔

”ابراہیم کا خیال ہمیشہ سے ذہن میں تھا۔ پر وقت کی دھارد دیکھتا رہا۔ ابھی ولی بھائی اور امی کے صدے سے نہیں نکلے تھے کہ بڑے بھائی کا آن ڈیوٹی مرڈر ہو گیا۔ ہماری تو رہی سہی ہمتیں نچر گئیں تھیں۔ میں تھا ہی کیا؟؟ ایک لا اباالی ساسٹوڈنٹ۔ ولی بھائی کی وفات کے وقت میں فرانس میں تھا۔ اپنے یونی گروپ کے ساتھ چھٹیاں منارہا تھا۔ جہاں پہ اطلاع ملتے ہی بھاگا۔ بڑے بھائی نے پھر زبردستی واپس بھیجا تھا۔ اور ابھی سال بھر بھی نہیں گزرا تھا کہ اُنکی شہادت کی خبر ملی۔ سب چھوڑ چھاڑ واپس بھاگا۔ سات سال لگے مجھے مقدمہ لڑتے!! اپنے بھائی کے قاتلوں کو پھانسی دلواتے۔ بابا سائیں فالج میں دونوں ٹانگوں کی حرکت کھو بیٹھے۔ آٹھ سال کا عرصہ تو میں یہ بھی بھول گیا تھا کہ میں کون ہوں؟؟ میری زندگی کا ایک ہی مشن تھا کہ میں نے اپنے بھائی کے قاتلوں کو معاف نہیں کرنا۔ میں نے انصاف پانے کے لئے دن رات ایک کر دیئے تھے۔ پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا پھر کہیں جا کر سنی گئی تھی۔ تم نے ایک بہن اور بھائی کھویا تھا شانزے جسے تم آج تک نہیں بھول پائی ہو۔ ہم لوگوں نے تو چار لوگ کھوئے تھے۔ میری بھابھی اور بہنوں کے ڈکھ کا اندازہ کر سکتی ہو؟ اٹھتے بیٹھتے اُنکی آنکھوں سے آنسو گرتے تھے۔“

وہ جیسے ماضی کی لمبی مسافت سے تھک گیا۔ شانزے جہاں کھڑی تھی۔ وہیں قریب بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ خود شانزے اتنے سارے انکشافات سننے ہوئے دنگ سی رہ گئی تھی۔ شاندا اسی لیے جب ہارون نے اُسکا ہاتھ تھام کر اُسے اپنے برابر بیٹھانا چاہا تو وہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھی تھی جو کہ اُسکی ذہنی غیر حاضری کا ثبوت تھا۔

ہارون نے شانزے کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا کر اُسکے ہاتھ کی پشت پہ اپنے لب رکھے۔ تڑپ کر شانزے نے اپنا ہاتھ واپس کھینچنا چاہا تھا۔ مگر کامیاب نہ ہوئی کیونکہ اُسکا دھیان ہارون کے بڑی سنجیدگی سے کئے گئے سوال کی طرف چلا گیا۔

”شانزے تم نے اپنے کزن سے طلاق کیوں لی تھی؟“ (ایک اور دھچکا شانزے کے اعصاب پر لگا اتنی بڑی بات کتنے آرام سے پوچھ رہا ہے جیسے موسم کے حال پہ تبصرہ کر رہا ہو اور میری کوئی بات سمجھی بھی ہے کہ نہیں؟)

”جبکہ تمہارا نکاح تم دونوں کی باہمی رضامندی سے ہوا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ تم دونوں کو ایک دوسرے سے محبت نہ تھی۔ پرنا پسندیدگی بھی نہیں ہوگی۔ جہاں پسند ہو اور اتنا اہم رشتہ قائم ہو جائے۔ میرے خیال میں محبت خود بخود ہو جاتی ہے، جیسے کہ مجھے لگتا ہے کہ مجھے ہو گئی ہے۔ ہمارے تعلق کو تو ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے۔ مگر میرا تم لوگوں کے بغیر دل نہیں لگ رہا تھا۔ مجبوراً آدھی رات کو بھاگ آیا تھا۔ کیونکہ تمہارے بغیر عجیب ایسٹی نیس کی فیلنگ آرہی تھی۔ جبکہ تم لوگوں کا نکاح تو ڈھائی سال تک رہا۔ پسندیدگی بھینا محبت میں بھی بدلی ہوگی۔ اور لڑکیاں تو ویسے بھی ایسے معاملات میں بڑے حساس جذبات رکھتی ہیں۔ مگر تم نے خود وہ رشتہ ختم کیا۔ کیسے کر لیا؟؟؟ آخر کیوں؟؟؟“

شانزے اپنی جگہ شاک بیٹھی تھی۔ ہارون کے سوالوں سے نہیں بلکہ اُسکے گھلے اظہار پہ۔ (کیا یہ آدی پاگل ہے؟) جب اُس نے گردن موڑ کر ہارون کی طرف دیکھا تو یہ تحریر شانزے کے چہرے پہ واضح لکھی تھی۔ وہ اُسکی حیرت بھانپ کر کندھے اُچکاتے ہوئے دھیرے سے مسکراتا۔ جواب کا منتظر تھا اسلیے ابھی تک سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ شانزے نے اپنے لب کھولے۔

”وہ مجھے سمجھتا نہیں تھا۔ اور میں اپنی ساری زندگی اُس کے ساتھ کیسے گزارتی؟ میں ابراہیم کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اور وہ ابراہیم کو اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ میری دلیلوں کو کو سٹو پڈ قسم کے جذبات سمجھتا تھا۔ مگر میں آج

بھی اُسکی اچھائی کی معترف ہوں۔ ہماری فیملیز کی طرف سے اتنا سارا پریشہ ہونے کے باوجود اُس نے مجھے اپنے ساتھ ایک بونگے سے بے بنیاد تعلق میں زبردستی باندھ کر نہیں رکھا۔ میری بات مان کر تعلق ختم کر دیا۔ آج اُسکے دو بچے ہیں۔ ہم ابھی بھی اچھے دوستوں کی طرح ہیلو ہائے کرتے ہیں۔“

”شانزے کیا ابراہیم تمہیں اتنا عزیز ہے کہ اُسکی خاطر اپنا شوہر چھوڑ دیا؟“

”ابراہیم میرا بیٹا ہے! کوئی دو سال پرانا دوسروں کی مرضی سے قائم کیا گیا ایڈو پچر ٹائپ رشتہ نہیں کہ میں اُسے چھوڑ کر ایک ایسے آدمی کے ساتھ رہتی کہ جسکی زندگی سے میں نکل گئی تو کوئی خلا پیدا نہیں ہوا۔ جبکہ ابراہیم کی زندگی میں میرے جانے سے ناقابل تلافی نقصان ہوتا۔ میں اُسکی ماں 'باپ' استاد سبھی کچھ ہوں۔ پھر کیوں میں ایک غیر آدمی کی خاطر اپنا بیٹا چھوڑتی؟“

ہارون بڑی دیر اُسکو غور سے دیکھتا گیا۔ پھر سر جھٹک کر ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔ شانزے کب کی اپنا ہاتھ اُسکے ہاتھوں سے کھینچ چکی تھی۔

”پاگل ہو گئے کیا؟“ شانزے کے تپ کر پوچھنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا بیڈ پہ پیچھے کوچت لیٹ گیا۔

اُسکارو یہ شانزے کو اور غصہ دلا رہا تھا۔ ”میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں“

جواب میں ہارون بڑی ترنگ میں بولا ”کچھ کیا سب کچھ پوچھو۔ اجازت لینا تم پہ سوٹ نہیں کر رہا سو بے بی وٹ ایوراٹ، از جسٹ فائر اٹ آوے!!!“

شانزے نے اُسکے مسخرے پن کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے پوچھا ”اس وقت تمہاری بیوی کہاں ہے؟“

”میری بیوی؟“ ہارون نے نیم وا آنکھیں شانزے پہ ڈالیں۔

”ہاں“

اُسکی ہاں پہ وہ بولا ”میرے پاس بیٹھی ہے“

اُسکی بات کا مطلب سمجھ کر وہ تلملا گئی۔ ”میں تمہاری پہلی بیوی کا پوچھ رہی ہوں ہارون تمہاری پہلی بیوی کہاں ہے؟“

”میری پہلی بیوی؟“

”ہاں بھئی!!“

دوسری طرف معصومیت سی معصومیت تھی۔ ”میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔“

شانزے نے تاسف سے سر ہلایا ”فضول بکواس مت کرو ہارون میں تم سے زری کی ماں کا پوچھ رہی ہوں۔“

وہ کہاں ہے؟؟“

”اچھا.....!!! تو سیدھے سے پوچھو نا کہ زری کی والدہ کہاں ہے۔ تمہاری بیوی تمہاری بیوی کی گردان لگا

رکھی تھی۔۔“

”عجیب آدمی ہو!! زری کی والدہ کہوں یا تمہاری بیوی بات تو ایک ہی ہوئی ناں“ شانزے نے جیسے ہارون

کی عقل کو سلامی پیش کی۔

”کیا فضول گوئی کر رہی ہو۔ زری میری بیٹی ہے اس نانتے سے اگر کوئی آسکی ماں ہے تو وہ تم ہوگی۔ اور اگر

آسکی برتھ مدر کا ذکر ہے۔ تو وہ میری بیوی نہیں تھی۔ میری پہلی بیوی تم ہی ہو ہاں اگر دوسری تیسری دیکھنے کا شوق

ہے تو تمہاری خاطر میں یہ زہر پیالہ بھی پینے کو تیار ہوں۔“ اینڈ والی لائن ادا کرتے ہوئے بلا کی سنجیدگی تھی۔

”یا تو تم پاگل ہو یا میں!“ شانزے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

”میرا خیال ہے دوسرا خیال زیادہ بہتر ہے“ وہ کہنی کے بل لیٹتے ہوئے مزے سے کہہ رہا تھا۔

شانزے نے چکراتے ہوئے سر کو تھاما۔ ”ہارون پلیز سنجیدگی سے بتاؤ کہ زری کی ماں کیسے تمہاری بیوی نہیں

آخر ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟؟“

”تو بہ استغفار بھئی کیوں کرتا میں اُس سے شادی؟ ایسا تو میرے لیے سوچنا بھی حرام تھا۔“

”تو..... کیا؟؟ اوہ میرے خُدا! تم اتنے گرے ہوئے انسان ہو۔ تم اُس وقت سے مجھے یہ سمجھانا چاہ

رہے ہو کہ زری تمہاری نا.....۔۔۔“ شانزے کی آواز صدمے سے پھٹی جا رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنا فقرہ مکمل کرتی۔ ہارون چیخ اٹھا۔ ”خبردار.....!! ظالم لڑکی ایک لفظ مزید مت کہنا۔“

فارگاڈ سیک شانزے تم تو چلی تھیں میری عمر بھر کی کمائی پہ پانی پھیرنے۔ ادھر آ کر بیٹھو۔“ اُس نے بیڈ پہ اپنے

برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”سب یہی سمجھتے ہیں کہ میں نے باہر شادی کر لی تھی۔ تین سال پہلے اپنی ڈگری ختم کرنے گیا تھا۔ واپسی پہ زری میرے ساتھ تھی۔ میں نے کسی کی غلط فہمی دور نہیں کی نہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔ مگر تمہیں سچ بتانا میرا فرض ہے۔ تم میری ذات کا حصہ ہو۔ میرے دوست نے وہاں ایک جرم لڑکی سے شادی کی تھی۔ شادی چھ سال کے طویل عرصے تک رہی مگر اُس نے کبھی اپنے گھر والوں سے پاکستان میں ذکر نہیں کیا۔ دونوں خوش تھے۔ جب تک میں وہاں رہا تھا۔ دونوں کو اچھے میاں بیوی کے روپ میں ہی دیکھا۔ اور جب دوبارہ گیا تو حالات ہی بدلے ہوئے تھے۔ جینی اتنے سال بعد ایک سپیکٹ کر رہی تھی۔ جب اُس نے میرے دوست کو کسی دوسری عورت کے ساتھ دیکھ لیا۔ اُس نے غصے میں بھرے ریستوران، میں ہی بھاری شیشے کا گلدان اپنے شوہر کو دے مارا جو سیدھا اُسکے سر پہ لگا۔ پورے تین ماہ کو ما میں رہا پر ڈاکٹر اُسے بچانہیں سکے۔ بیوی کو پولیس نے دھر لیا۔ کیس کوئی زیادہ لمبا چلا ہی نہیں اُسے سزا سنائی گئی۔ زری کی پیدائش بھی جیل میں ہوئی ہے۔ ساری صورتحال جاننے کے بعد میں نے اپنے دوست کی فیملی سے یہاں پاکستان میں رابطہ کیا تھا۔ تم تو جانتی ہی ہو اپنے لوگوں کو بس صاف مکر گئے، اُن کے بیٹے نے کوئی شادی نہیں کی نہ ہی اُسکی کوئی اولاد ہے۔ سب جھوٹ ہے کہہ کر بات ختم کر دی۔ دوسری طرف فون گوری کی فیملی میں بھی منتیں کرتا رہا۔ پر اُسکے بھائی کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ آخری دن تک میں دونوں طرف فون کر کے انہیں مناتا رہا۔ مگر نہیں مانے اور جس دن سوشل ورکر اُسے کسی غیر مسلم فیملی کو دے رہی تھی۔ میری غیرت نہیں مانی کہ ایک مسلمان کا خون غیر مسلموں میں جائے۔ میں اُس دن نہیں جانتا تھا کہ کیا کر رہا ہوں۔ کیا کروں گا؟ فارگا ڈسک، کوئی بلی کتا نہیں ایک انسان کا جیتا جاگتا بچہ لے رہا ہوں۔ اور بچوں کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہوں۔ کیا کروں گا؟؟ آخر سوچ کیا رہا ہوں؟؟ مگر میں نے اپنا نام دیدیا، اُسکی ماں سے ملا اور اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ اُسی نے سوشل ورکر کو منایا کہ اگر وہ کسی کو اپنی بیٹی کی سپردگی دینا چاہتی ہے، تو وہ میں ہی ہوں۔ جس پہ اُسکو بھروسہ ہے کہ اس بچی کا ہمیشہ خیال رکھوں گا۔ جبکہ مجھے کوئی یقین نہ تھا۔ کہ یہ تجربہ کامیاب ہو گا یا ناکام۔ ہاسٹل میں رہتا تھا سوشل ورکر کے کہنے پر گھر کرائے پہ لیا۔ ضرورت کی ساری چیزیں لیں وہ ساری رقم میں نے پارٹ ٹائم جاب کر کے اپنی فیس کے لیے جمع کی تھی۔ تاکہ مجھے بابا سے دوبارہ پھر فیس نہ مانگنی پڑے۔ مگر

جو جو راکو ازمینٹ کہی گئی تھی۔ میں نے وہ سب پوری کی۔ دوسرے دن ذکا کرتا ہوا گھر سے گیا تھا۔ اور واپسی پہ زری میری گود میں تھی۔ تین ماہ کی زری یقیناً بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ اُن دنوں چھٹیاں تھیں جو کہ میں نے سوچا ہوا تھا گھر پہ گزار کے آؤں گا۔ پر زری کی وجہ سے نہ آیا۔ شروع شروع میں تو وہ بس روتی رہتی تھی۔ اور میں اُسے لیکر گھومتا رہتا۔ دودھ دیتا تو کبھی اتنا گرم ہو جاتا کہ بیچاری کا منہ جل جاتا اور کبھی اتنا ٹھنڈا دے دیتا کہ اُسے پوٹیاں لگ جاتیں۔ اور جب وہ بے تحاشہ روتی۔ اُن لمحوں میں جی بھر کے خود کو گالیاں بکتا تھا۔ کیوں یہ مصیبت گلے میں ڈالی۔ ایک دو ماہ لگا اُسے میرے سے مانوس ہونے میں۔ پھر یوں ہوتا کہ صبح اُسکا بیگ پیک کر کے میں اُسے ڈے کیر چھوڑتا۔ خود یونی جاتا۔ وہاں سے واپسی پر اُسے ڈے کیر سے اٹھاتا لُنج دونوں ساتھ کرتے۔ پھر اُسے دوسرے ڈے کیر پہ چھوڑ کر خود ٹیک اوے پہ ڈیلوریال کرتا۔ رات کو دس بجے شفٹ ختم کر کے واپسی پہ زری کو لیتا اور تھکا ہارا گھر آتا۔ مگر زری کیساتھ تھوڑا سا وقت گزار کر ہی میری تھکاوٹ دور ہو جاتی۔

پورا ایک سال دیا میں نے خود کو یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ آیا میں واقعی ایک بچے کی ذمہ داری اٹھا سکتا ہوں۔ وقت کے ساتھ ساتھ مجھے زری سے محبت ہو گئی تھی۔ اور جس دن اُس نے پہلی دفعہ مجھے بابا کہہ کر بلایا تھا۔

آئی واز سپیچ لیس۔“

ہارون بڑی خوبصورتی سے مسکرا رہا تھا۔ اور وہ ایک دفعہ پھر جیسے بُت بنی بیٹھی تھی۔ بنا آنکھ جھپکائے ہارون کو دیکھے جارہی تھی۔ جیسے اُس کے سینگ نکل آئے ہوں۔

”میں نے گھر والوں کو اُس وقت تک زری کے بارے میں نہیں بتایا جب تک مجھے یہ یقین نہیں آ گیا کہ آیا اگر کل کو میری اپنی اولاد ہوتی ہے تو کیا زری تب بھی مجھے اتنی ہی عزیز ہوگی۔ اور یہ خیال مجھے بہت بے چین رکھتا تھا کہ اگر کل کو میری بیوی نے زری کو قبول نہ کیا تو؟؟؟ جب میں نے زری کا گھر پہ بتایا وہ لوگ یہی سمجھے میں نے شادی کر لی جو کہ نا کام بھی ہو چکی ہے۔ میں نے کسی کی غلط فہمی دور نہیں کی چاہے کوئی جو بھی میرے بارے میں غلط یا صحیح قیاس آرائیاں کرتا رہے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ زری میری ہی بیٹی ہے۔ میرے نام سے جانی جائے گی۔ میں نے اسکی ماں اور بائیلو جیکل باپ دونوں کے گھر والوں سے ریٹن ایگریمنٹ لیا ہوا ہے۔ دونوں میں سے کوئی بھی کبھی بھی میرے سامنے دعویٰ دار بن کے نہیں آ سکتے۔



اللہ کے بعد آج تم اس راز سے واقف ہوئی ہو۔ اور تمہارے بارے میں مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ میرے لئے ہی بنائی گئی ہو۔ تو آج یہاں موجود نہ ہوتیں۔ اور اگر مجھے لگتا کہ میرے راز کی امین ثابت نہ ہوگی۔ تو تمہیں یہ سب کبھی نہ بتاتا۔ تمہارے بارے میں جاننے کے بعد مجھے یقین ہوا تھا کہ کیوں اللہ نے زری کے لئے مجھے پتا کیونکہ اللہ نے میرے لئے تمہیں پتا ہوا تھا۔“

شانزے کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر بہتے جا رہے تھے۔ ہارون کے چہرے پہ وہی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ وہ اٹھ کر سیدھا ہو بیٹھا۔ شانزے کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ وہ مسلسل آنسو بہائے جا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا۔ شانزے نے اپنے ہاتھ اُسکی گرفت سے کھینچے اور اٹھ کر بیڈ سے دور ہٹ کر ایک کرسی پہ بیٹھ گئی۔

”میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم نے ہر بات کلیئر کر دی۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم نے جو بھی کہا بالکل سچ کہا ہوگا۔“

بیڈ کی پٹی پہ اپنے دونوں بازوؤں پہ بوجھ ڈالے تھوڑا سا آگے کوچھک کر بیٹھا وہ پوری توجہ سے شانزے کے الفاظ سن رہا تھا۔

”مجھے تمہارے بھائیوں بھابھی اور والدہ کی وفات کا وہی افسوس ہوا ہے۔ اور میری ہمیشہ اُنکے لیے ڈعا رہے گی۔“ وہ ہارون کی نظروں کی پیش محسوس کر سکتی تھی۔ اسلئے اُسکے ساتھ نظر ملانے کی غلطی وہ نہیں کر رہی تھی۔ نظریں گود میں رکھے ہاتھوں پر جمارھیں تھیں۔

اور ہارون کی آنکھوں میں اب اُلجھن ناچ رہی تھی۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے سامنے بیٹھی عورت کے ذہن و دل میں اتر کر دیکھتا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ اُسکے انداز سے وہ یہ تو جان گیا تھا کہ کوئی فیصلہ سننا نہ جا رہی ہے۔ مگر اُسے ایسا کوئی چھو منتر نہیں آتا تھا کہ جسے پڑھ کر وہ فیصلہ اپنے حق میں کروا سکتا۔ دل میں یہ بھی خیال آیا کہ کون کہتا ہے عورت کمزور ہوتی ہے؟ سامنے بیٹھی عورت بغیر کسی ہتھیار کے مجھے ناکوں چنے چبوا سکتی ہے۔ وہ اپنی کہے بغیر چپ ہونے والی نہیں تھی۔ اس لیے اُسے لگا کہ خاموشی سے سنتا ہی بہتر ہے۔ ویسے بھی اب وہ اُسکی کھلے دل سے تعریف کر رہی تھی۔

”ابھی جو کچھ تم نے اپنے بارے میں بتایا ہے بہت متاثر کن ہے۔ اور جو کچھ تم نے.....“ گلے میں

پڑنے والی گرہ نے بات مکمل نہ ہونے دی۔ آنسو پھر سے نکلنے کو کو بے تاب تھے۔ گلا صاف کرتے ہوئے بولی۔ ”معاف کرنا مگر جو کچھ تم نے زری کے لیے کیا ہے۔ مجھے تو تصور کر کے ہی رونا آ رہا ہے۔ کہ کیسے تم نے چند ماہ کی بچی کے لیے اپنی زندگی میں اتنی بڑی تبدیلی پیدا کی اُس کے لیے کھڑے ہوئے۔ ایسا تو کوئی انسان اپنی خود کی اولاد کے لئے بھی کم ہی کرتا ہوگا جو تم نے ایک غیر کے ساتھ کیا۔“

”شانزے لوگ تو دوسروں کے بچے کی خاطر اپنے نکاح تک ختم کر دیتے ہیں۔ میں نے تو صرف ایک بچی کو پالا ہے۔ اُسکی خاطر کسی کو چھوڑا تو نہیں“ وہ اسکی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اسلیے بولی ”جسکا تم اشارہ دے رہے ہونا وہ میری بہن کا بیٹا تھا۔ کسی غیر اہم دوست کا بچہ نہ تھا۔“

وہ اُسکی بات سے اختلاف کرتے ہوئے گویا ہوا ”کم آن شانزے اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کون اور کس کا بچہ، بچہ تو بچہ ہے۔ اور مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ میرا خون نہیں ہے“ اُس نے ایک لمحے کو سر اٹھا کر ہارون کی آنکھوں میں دیکھا جہاں اس لمحے گہری سنجیدگی تھی۔ اور بولی۔ ”یہی سب سے خوبصورت بات ہے۔ تم جانتے نہیں ہو ہارون کہ میری ماں نے میرے لیے کتنے رشتے ڈھونڈے ہیں۔ ہر دفعہ چھٹی پہ جب میں گھر گئی ہوں۔ رشتے کے لیے مجھے دیکھنے والی ایک دو فیملیز تو ضرور انوائیٹ ہوتی تھیں۔ اور اپنی ماں کے ساتھ ان گزرے سالوں میں میری مسلسل ایک جنگ رہی ہے۔ اُنکی بس ایک ہی رٹ تھی کہ میں شادی کر لوں۔ اور میں انہیں سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھی کہ ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ کوئی مرد اتنے اعلیٰ اخلاق کا نہیں ملے گا۔ خاص کر ہمارے معاشرے میں کہ جو مجھے میری اولاد سمیت قبول کرے۔ اُسے میری اولاد کے ساتھ پیار نہ سہی پراچھے سلوک سے پیش آنا ہوگا۔ اور اگر بائے چانس کوئی مائی کالا آگے آ بھی جاتا تو ہماری فیملیز میں ہی بہت سے مین میخ نکالنے والے موجود ہوتے ہیں۔“

”پر تم بھول رہی ہو ابراہیم تمہاری اپنی اولاد نہیں“

”ہاں نا اور یہ بات اس سارے معاملے کو اور بھی پیچیدہ بناتی ہے۔ کہ میں اپنے شوہر پہ کسی اور کے بچے کو اہمیت دوں سمجھ رہے ہو میری بات؟؟ مرد تو ہوتا ہی پوزیسیو! اسی لئے جب بھی کوئی آیا میں نے ہر بات کلیئر کر



ہارون۔۔! اور اگر کوئی مصروف بھی ہو تو اتنا تو مصروف نہیں نہ ہوتا کہ اُسے ایک لمحے کا بھی وقت نہ ملا ہو کہ وہ اپنے کسی عزیز کی خیریت جان سکے۔ چلو جا کر حال نہ پوچھتے کم از کم ایک فون تو کیا ہوتا۔ تم مصروف تھے تو تمہاری فیملی کا کوئی اور فرد یہ زحمت گوارا کر لیتا۔ مگر نہیں ہارون ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور اب گیارہ سالوں بعد تمہیں اُسکی اتنی فکر ستاتی ہے کہ اُسے پانے کے لیے اُسکی سوکال ماں سے شادی کو بھی تیار ہو گئے۔“

”شانزے میں تمہیں ہاتھ پانچکا ہوں۔ کہ یہ شادی میں نے ابراہیم کی وجہ سے نہیں کی۔۔۔!!“

”سیریسلی ہارون۔۔؟ کیا یہ میری شکل پہ لکھا ہوا ہے کہ میں ایک بیوقوف عورت ہوں؟ کیونکہ جہاں تک میری یادداشت ہے۔ یہ ہم دونوں کی پہلی دن اون ملاقات ہے۔ اور تم یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ میں تمہیں پسند ہوں۔ اور اسی پسند کی بنیاد پہ یہ شادی ہوئی ہے۔ تو تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ کیونکہ نہ میں کسی پرستان کی پری ہوں نہ تم کہیں کے ہیرو۔۔۔ تو اس لیے یہ پسند و سنا اور ایسے سارے فقرے اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دو مجھ پہ اثر کرنے والے نہیں۔“ وہ پورے اعتماد کے ساتھ ہارون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی تھی۔

”اور اب آخری بات۔۔۔ جو کہ ایک حقیقت ہے۔ جسے تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں۔ نہ صرف جانتے ہیں، بلکہ بڑی اچھی طرح جانتے ہیں، کہ ابراہیم کروڑوں کی جائیداد کا مالک ہے۔ اُسکو ائرز پورٹ پہ دیکھ کر تمہارے اندر تو الارم بجے ہو نگے نا کہ ماشا اللہ جوان ہو رہا ہے۔ ایک دن اپنی وراثت کا حق لینے آسکتا ہے۔ اور اس صورت میں جس جائیداد پہ تمہارا قبضہ ہے وہ چھوڑنی پڑتی۔ تم نے سارے مسئلے کا ایک آسان حل نکال کر عمل کر دیا۔ کوئی اندھا بھی ہوتا تو سچ جان جاتا صرف میری فیملی ہی اندھوں سے بھی گئی گزری نکلی۔ جو سب گچھ نظر انداز کر کے تمہارے جال میں آ گئے۔“

وہ اسی اطمینان سے بیٹھاسنتا رہا پر جب شانزے نے اُسکی آنکھوں میں دیکھا تو شعلے نکلنے محسوس ہوئے۔ شانزے کے لبوں پہ طڑیہ ہنسی اُبھری جیسے کہہ رہی ہو (دیکھا سچ سنتا کتنا تکلیف دہ ہے)۔

وہ بڑی گریس سے اپنی جگہ چھوڑ کر درمیانی فاصلہ کم کرتا شانزے کے بہت قریب آ کر کھڑا ہوا۔ پھر شانزے کو کندھے سے تھام کر اپنے برابر کھڑا کیا۔ اور مزید کچھ کہنے سننے کا موقع دینے بغیر اسکا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے ہالے میں لیکر اونچا کرنے کے بعد اپنے ہونٹ شانزے کے لبوں سے مس کیے۔ اور بغیر وقفے کے جب

دوسری دفعہ وہی عمل ڈھرایا تو شانزے کو سارا کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ اپنے سارے جذبات اُس ایک عمل کے ذریعے اُس تک پہنچا گیا تھا۔ جب ہارون نے اپنا سر اوپر اٹھا کر نیچے شانزے کی جانب دیکھا۔ چونکہ صرف حیرت سے پھٹی آنکھوں سے اُسے گھور رہی تھی بلکہ خود کو گرنے سے بچانے کے لئے ہارون کی قمیض کا دامن سامنے سے تھام رکھا تھا۔ ایک بڑی پیاری مسکراہٹ ہارون کی آنکھوں اور لبوں پہ کھیل رہی تھی۔

”مسز ہارون بخت مانا کہ تم بولتے میں بہت پیاری لگتی ہو۔ مگر اس وقت یوں خاموش کھڑی غضب ڈھا رہی ہو۔“

شانزے کو اپنے جذبات ظاہر کرنے کو الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ بلکہ الفاظ رہے ہی کب تھے۔ اُس نے ہارون سے دور ہٹنا چاہا۔ جس پہ ہارون نے اُسے خود کے اور قریب کر لیا۔ ”میں نے سنا تھا کہ بہت خطرناک بولتی ہو اب دیکھ بھی لیا۔ شانزے تم میرے ساتھ نہیں رہنا چاہو تو ٹھیک ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کرونگا۔ تمہاری چاہت کے خلاف تمہیں اپنے ساتھ باندھ کر رکھنا میرا خیال ہے کہ میری تو ہین ہی ہوگی۔ مگر اس طرح سے تمہیں خود سے دور جانے بھی نہیں دونگا یہ بھی میری کم ہمتی ہوگی۔ اسلیے تمہیں مجھے اور اپنے آپ کو کچھ وقت دینا ہوگا۔ میں تمہیں جان گیا ہوں۔ تمہیں اپنی رضا اور پوری دلی آمادگی سے قبول کر چکا ہوں۔ مجھے اب کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مگر تم مجھے سرے سے جانتی ہی نہیں ہو۔ مجھے جاننے کے لیے ضروری ہے کہ تم میرے ساتھ کچھ وقت گزارو اُس کے بعد تم جو فیصلہ کرو گی۔ میں اک حرف کہے بغیر اُسے قبول کرونگا۔“

شانزے نے اُسے خود سے دور دھکیلا ”صدقے جاؤں مسٹر چارمنگ تمہیں نہیں لگتا کہ بہت جلد ہوش میں آگئے ہو۔ جو باتیں نکاح سے پہلے کہنی چاہیے تھیں۔ وہ اب کہہ رہے ہو“

”نکاح سے پہلے میں تمہیں اپنی بانہوں میں بھر کر وہ سب محسوس نہیں کروا سکتا تھا جو اب کروا سکتا ہوں۔ اُس صورت میں تم سے دو گز کے فاصلے پہ کھڑے ہو کر مجھے نظریں نیچی رکھ کر تمہیں وجوہات پیش کرنی پڑتیں جنہیں سنے بغیر تم بڑی آسانی سے لپیٹ کر ڈسٹ بن میں پھینک کر آگے بڑھ جاتیں۔ اور میں نہ جانے کتنے سال خوار ہوتا صرف یہ پرودہ کرنے میں کہ اللہ کی بندی ہمارا مستقبل اکٹھا ہے۔“

شانزے کی شکل پہ لکھا تھا کہ وہ ہارون کی کسی بات سے متفق نہ ہوئی تھی۔ ”تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے ہارون

کہ میں تمہارے ساتھ وقت گزار کر تمہیں سمجھنے کے بعد بھی تمہارے ساتھ رہوں گی؟“

”ظاہری بات ہے جو الزامات تم مجھ پہ لگا رہی ہو۔ جب اُن سے مجھے بری پاؤ گی تو مجھے چھوڑ کر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔“

”ہارون تمہاری خوش فہمی کی عمارت حد سے زیادہ اونچی ہے“

”شانزے اگر یہ میری خوش فہمی بھی ہوئی نا تو اس عمارت کے نیچے بنیاد میری نیک نیتی کی ہے۔ یہ عمارت گرے نہیں لگی۔“

”اوہ۔۔۔!! یہ بات؟؟“ شانزے بیڈ پہ بیٹھ گئی۔۔

”ہاں بالکل یہی بات۔۔“ ہارون کی آنکھوں میں بڑی شرارتی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ شانزے اُس کے خوبصورت تو انا چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے یہ بات ماننے سے بالکل انکاری نہیں تھی کہ یہ آدمی بہت سی لڑکیوں کا خواب ضرور ہوگا۔

”بات سنو میں تمہیں ایک پرپوزل دیتا ہوں۔“

”کیسا پرپوزل؟“

”سات دن۔۔۔!! تم اگلے سات دن میرے ساتھ چلو اگر ان دونوں میں تمہاری رائے اپنے بارے میں بدلنے میں ناکام رہا تو تم بالکل آزاد ہوگی۔“

”تمہارے ساتھ کہاں جاؤں؟“

”کہیں بھی..... دینی چلتے ہیں۔ پھر آگے کہیں اور بھی نکل جائیں گے۔“

شانزے نے اپنے دونوں بازو سینے پہ باندھتے ہوئے ہارون کو دیکھا جو کہ صوفے پہ براجمان ہو چکا تھا۔

”اگر میں تمہارا پرپوزل ٹھکرا دوں تو؟؟“

اُس کے سوال پہ ہارون نے ہنسیوں اٹھا کر کندھے اچکائے۔ ”پھر ہمیں تھوڑا مباراستہ طے کرنا پڑے گا۔“

”کیا مطلب؟.....۔۔۔“

”مطلب یہ کہ تمہیں اسی گھر میں رہنا پڑے گا۔ کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ جب تک کہ تم مجھے

خوشی سے قبول نہ کر لو۔ چاہے اُس میں سات سال لگیں سات مہینے یا دو دن مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔“

شانزے نے اپنی آنکھیں گھمائیں اور ہارون کو گھورا۔ ”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ تم مجھ جیسی لڑکی کو اس گھر میں زیرِ حراست رکھنے کی بات کر رہے ہو۔ تمہیں میں اتنی بے بس نظر آتی ہوں کیا کہ اتنی آسانی سے تم مجھ پہ ایسا ظلم کر کے زندہ بچ جاؤ گے۔“

ہارون نے سر اٹھا کر پیچھے کو گرایا اور اونچی آواز میں بھرپور قہقہہ گونج گیا۔ ”شانزے یہ بات کر کے تم نے میری بیوی ہونے کا ثبوت دے دیا ہے۔ ویسے تم ڈر کیوں رہی ہو؟“

”ڈرتی ہے میری جوتی.....“

”اگر ڈرتی نہیں ہو تو میرے ساتھ جانے میں کیا مسئلہ ہے؟ ہار جانے کے علاوہ بھلا اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“

چند لمحوں تک دونوں ایک دوسرے کو بڑی سنجیدگی سے دیکھتے رہے۔ شانزے نے سرگوشی کی ”سات دن؟“

”ہاں سات دن اس سے زیادہ نہیں۔۔۔“

ہارون کے جواب پہ اُس نے اگلا سوال کیا۔ ”کب جانا ہے؟“

ہارون کے لب پھیل گئے۔ ”اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو کل ہی.....“

”چلو ٹھیک ہے۔۔۔“ شانزے نے جیسے کوئی چیلنج قبول کیا۔ چہرے پہ بھرپور سنجیدگی تھی۔ ”جہاں جانا ہے

وہاں کے موسم وغیرہ کا بتا دینا تاکہ میں بچوں کی پیکنگ اُسی لحاظ سے کروں۔۔۔“ شانزے نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر بیڈ پہ پڑا کمبل درست کیا۔

”بچے ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔“ شانزے حیرت سے کھلے منہ سمیت ہارون کی طرف مڑی۔ جو کہ

بڑے سکون میں بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں ٹانگیں آگے کو پھیلائے۔ دونوں ہاتھ سر کے پیچھے باندھے ہوئے تھے۔

”تم جس طرح کل اپنی بیٹی کو یہاں اجنبیوں کے درمیان اکیلا چھوڑ کر گئے تھے۔ اس تناظر میں تمہاری یہ

بات مجھے بالکل بھی عجیب نہیں لگی۔ تم ایک انتہائی لاپرواہ قسم کے باپ ہو۔ مگر میں تم جیسی ہرگز نہیں ہوں۔ میں

نے آج تک اپنے بچے کو ایک رات بھی خود سے دور نہیں کیا۔ میں تمہارے ساتھ اُسی صورت میں جا رہی ہوں اگر

بچے ساتھ آئیں۔ ورنہ میری طرف سے نہ ہے۔“ وہ غصے سے دوبارہ دھڑام کر کے بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

”کوئی مسئلہ ہی نہیں نہ جاؤ۔ کل میں ابراہیم اور زری کو گٹھ لے جاؤں گا، رہنا کیلی ہمارے بغیر۔“

ہارون کے اطمینان پہ شانزے کا جی چاہا کمینے کا منہ نوج لے۔ کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ ”پتا کیا؟؟؟“  
ابھی تھوڑی دیر پہلے جب تم اپنے بارے میں بتا رہے تھے ناں۔ تو میرے دل میں تمہارے لئے اک نرم گوشہ پیدا ہوا تھا۔ کچھ لمحوں کے لئے میں یہ سوچنے پہ مجبور ہو گئی تھی کہ تم ایک اچھے انسان ہو۔ مگر بہت جلد ہی تم نے میری غلط فہمی دور کر دی۔ تم ایک انتہائی درجے کے خود غرض انسان ہو۔ مجھے تم سے شدید نفرت محسوس ہو رہی ہے۔“

سر کے پیچھے باندھے بازو کھول کر آگے کو سیدھا ہو بیٹھا۔ ”میری ایک بات غور سے سنو کیونکہ دوبارہ نہیں بولونگا۔ جس عورت کے ساتھ میں نے اپنی ساری زندگی گزارنی ہے۔ اُسکے ساتھ وفادار رہنا ہے۔ اُسکا اور اُسکے بچوں کا ہر طرح سے خیال کرنا ہے۔ ہر ڈکھ سنکھ میں اچھے بُرے وقت میں بیماری یا تندرستی میں اُسکے ساتھ کھڑا ہونا ہے۔ تو اللہ کی بندی یہ میرا حق ہے کہ مجھے بھی معلوم ہو کہ اُس عورت کے لیے میری کیا اہمیت ہے۔ اُسکے دل میں میرا کیا مقام ہے۔ وہ میرے لیے کس انداز سے سوچتی ہے۔ میں اپنی ساری زندگی رہن رکھ کر بدلے میں تم سے صرف سات دن مانگ رہا ہوں۔ تم انکار نہیں کرو گی۔ اور اس موضوع پہ ہم لوگ مزید بحث نہیں کر رہے۔“

وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا بیڈ سائیڈ سے اپنے سلپس نکال کر پہنے۔ ”کل اس وقت ہماری فلائیٹ ہو گی۔ صبح ساری فیملی ادھر آئے گی۔ تو شانزے تھوڑی دیر کے لئے سب بھلا دو کہ تم سُسرال میں ہو، شوہر پسند نہیں اُسکے گھر والوں کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی سب۔۔۔ سارے منفی اچھے یا بُرے سب جذبات ایک طرف رکھ کر ان لوگوں کے ساتھ اپنے حقیقی اخلاق کا مظاہرہ کرنا۔ وہی اخلاق جس نے اتر پورٹ پہ ایک اجنبی بچی کی بد بودار پٹی بدلوائی۔ سچ بتانا کتنے لوگوں کو جانتی ہو جو ایسا کوئی عمل کر سکتے ہیں؟ میں نے اپنے سب جاننے والوں کی لسٹ چھانی ہے کوئی ایسا یا ایسی نظر نہیں آئی۔ آئی ہیوٹو سے آئی لو یور اُنز بیوٹی۔۔۔! اور جو بھی غصہ و نفرت ہوا اُسکے لیے بندہ حاضر ہے.....“ وہ شانزے کے سامنے ادا سے اُداسے اُداسے تھا..... اور سیدھا ہو کر دروازے کی جانب بڑھا۔

شانزے نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ پھر جاتے ہوئے ہارون کو مخاطب کیا۔ ”تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا پڑے گا۔“

”جی فرمائیے؟“ ہاتھ ہینڈل پہ تھا۔ رُخ شانزے کی جانب موڑا.....





رہن بندھا ہوا تھا۔ اس نے سلور اور سفید رنگ کا ہی فراک پہن رکھا تھا۔.....

”آ.....“ شانزے کو اپنا گلابا لکل خشک محسوس ہوا۔ ”زری آپ نے مجھے می کیوں بتلایا۔؟“ اُس نے اپنی ساری عمر میں کبھی خود کو اتنا بے اعتماد نہیں پایا تھا۔ آج ایک ڈھائی تین سال کی بچی پسینے چھڑوا گئی تھی۔

”کیونکہ آپ می ہو۔۔“

”آپ سے کس نے کہا کہ میں می ہوں۔۔۔؟“

نیلی آنکھوں والی مسکرائی۔۔۔ ”مجھے بابا نے بتایا ہے۔۔“

شانزے نے دانت پس لیے..... (کمینہ بڑی چال چل گیا۔ جو یہ کہہ رہا تھا کہ تمہیں جان چکا ہوں تو اُس نے سچ ہی بکا تھا اتنی معصوم اور میٹھی چھری سے کاٹ رہا ہے کہ بندہ کنفیوز ہی رہے رونا ہے کہ ہنسنا.....)۔۔۔ پھر بھی اُس نے ہاتھ پاؤں مارنے چاہے۔۔۔ ”زری بیٹا بابا نے مذاق کیا ہوگا۔۔۔“

زری نے گال پہ ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے شانزے کی ناک چھوتے ہوئے اپنا سر نئی میں ہلایا.....

شانزے نے پھر ہمت کی۔۔۔ ”بابا جھوٹ بول رہے تھے۔۔“

منھی پری کے چہرے پہ سوچ کی پرچھائیاں آئیں۔ بڑے وثوق سے کہا۔ ”بابا جھوٹ نہیں بولتے۔۔۔“ (تم چھوٹی ہو تمہیں ابھی نہیں پتا جھوٹ چاہے نہ بولے پر کمینہ بلیک میل ضرور کرتا ہے۔ تمہارا باپ خطرناک آدمی ہے)..... شانزے نے زری کے اشارے پہ سائیڈ دراز کی جانب دیکھا۔ تازہ گلاب کی کلیوں کا گلدستہ تھا۔

”ارے یہ کس نے ادھر رکھا۔؟“ اُس نے گلدستہ ہاتھ میں لیکر سو گنکا۔

”یہ میں آپ کے لئے لایا۔۔۔“

شانزے نم آنکھوں سے مسکرائی۔۔۔ ”آپ میرے لیے لایا؟۔۔“

”ہاں۔۔!! ساتھ میں کارڈ بھی ہے۔“

زری نے کارڈ شانزے کے سامنے کیا۔۔۔ جسے اُس نے کھول کر دیکھا۔۔۔ ویکلم ہوم می۔۔!! کے آگے لو ہارٹ بنا ہوا تھا۔ لکھائی تو کسی بڑے کی ہی تھی مگر لو ہارٹ یقیناً زری نے بنایا تھا۔۔۔ کیونکہ ٹیڑھا میٹر بنا ہوا تھا۔

”تھینک پوسوچ میری جان۔۔!“ شانزے نے اُسکے گال پہ پیار کر کے کس کے ہنسی دیتے ہوئے اُسے گدگدایا۔۔۔ ”دادی اماں اتنی سی ہونم اور کام اتنے بڑے کرتی ہو دل چورنی.....!!!“

زری اور شانزے کے قہقہے دروازے کے باہر کھڑے ہارون کے کانوں تک بھی پہنچے تھے۔۔ دونوں بازووں ہوا میں بلند کر کے بے آواز لیس بول کر خود کو داد دی تھی۔۔ واپس سیننگ روم کی طرف جاتے ہوئے دماغ میں شانزے ہی تھی۔۔ (تمہیں ہرانے کے لیے میرے پاس ایک سو ایک طریقے ہیں۔ میرے سے دور کیسے جاؤ گی۔۔)

بیڈ سے اتر کر کھڑکیوں کے پردے ہٹائے ایک دم سے سارے کمرے کی لگ ہی بدل گئی۔ سورج کی روشن کرنوں سے سارا کمرہ بھر گیا۔۔ شانزے کے ساتھ ساتھ زری کی آنکھیں بھی چندھیا گئیں۔۔۔ تب ہی وال کلاک نے جھٹکا لگایا جہاں ساڑھے بارہ ہو رہے تھے۔۔۔

”باپ رے میں اتنی دیر پڑی سوتی رہی ہوں تم لوگوں نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں۔۔۔“ زری بیچاری اتنی لمبی بات کا کیا جواب دیتی۔

”زری بیٹا ابراہیم کدھر ہے؟؟ اور یہ باہر سے کس کے بولنے کی آوازیں آرہی ہیں؟؟“ دوپٹہ شانے پہ ڈال کر اب جو تلاش ہو رہا تھا۔۔ تب ہی دروازہ کھول کر ابراہیم اندر آیا۔۔۔

”میں ادھر ہوں اور باہر میرے پھوپھو اور دادا لوگ آئے ہوئے ہیں۔ یہ سب تو چھوڑیں اوگا ڈمی آج آپکو ہو کیا گیا تھا۔۔؟“ ابراہیم نے ماں کو کندھوں سے تھاما۔۔۔

”کیا مطلب بھئی۔۔۔؟“

”یعنی اب مطلب بھی میں بتاؤ آج آپ اتنا سوئی ہیں کہ اپنے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ چکی ہیں۔ نانو کو فون آیا تھا بابا کہ سیل پہ ان کو میں نے بتایا کہ آپ ابھی تک سو رہی ہیں جبکہ تب ابھی صرف دس بجے تھے پر نانو کو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔۔ اب تب سے لیکر ہر آدھے گھنٹے بعد بابا کو کال آرہی ہے۔ آپکی خیریت جاننے کے لیے۔۔۔“

”آف یہ میری فیملی بھی ناں بھلا اگر مر جاؤ گی تو ان لوگوں کو اطلاع مل ہی جانی ہے ناں اب کیا ضرورت

ہے بار بار تمہارے دادا کو فون کھڑکانے کی۔۔“

”دادا کو کسے فون کیا۔۔؟۔۔“

”خود ہی تو کہہ رہے ہونا تو کال رہی ہیں۔۔۔“ الماری میں سے اپنے لئے کپڑوں کا انتخاب کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

جس پہ ابراہیم نے قہقہہ مارا۔۔۔ ”ممی۔۔! نانا دادا کو تھوڑی ہی کال کر رہی ہیں۔ وہ تو بابا کو کر رہی ہیں۔“ شانزے کے ہاتھ تھمے۔۔۔ ”کون سے بابا کو۔۔؟ غور سے ابراہیم کی نک سبک تیری اور خوشی سے روشن ہوتے چہرے کو دیکھا۔۔

”اپنے بابا ممی۔۔ سائیں ہارون بخت۔۔“

شانزے کا دل دھک سے رہ گیا۔۔ ابراہیم ڈریسنگ ٹیبل پہ چڑھ کر بیٹھا پر فیومز اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔۔ زری بیڈ پہ ٹانگیں لٹکائے بیٹھی پھولوں کی پتیوں سے کھیل رہی تھی۔۔ شانزے نے دونوں کو غور سے دیکھا۔ ”کیا تمہیں ہارون نے بولا ہے کہ اُسے بابا بناؤ؟؟۔۔“

ابراہیم نے ماں کے پریشان چہرے کو دیکھا۔۔ ”دادا سائیں نے کہا ہے۔۔“ اب اُسکے چہرے پہ بڑی شرارتی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ”ویسے بھی ممی اگر زری میری ممی کو اپنی ممی بولے گی تو میں اسکے بابا کو بابا کیوں نہیں بول سکتا۔۔ آفٹر آل ہی از یور ہنڈ بند۔۔!!“

”ہنڈ بند کے بچے بڑے تمہارے دانت نکل رہے ہیں۔ ذرا مجھے یہ مسئلے حل کر لینے دو پھر تمہاری خبر لیتی ہوں۔۔ ابھی زری کو باہر لے جاؤ میں شاور لیکر تیار ہو جاؤں پھر باہر آتی ہوں۔۔“

”جلدی آ جائیں سب لوگ کب سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں تو اٹھانے آنا چاہتا تھا پر با۔۔۔ میرا مطلب ہارون بابا نے منع کر دیا۔۔“

”میرے سامنے اگر اب تم نے اُس آدمی کو بابا بولانا تو ابھی جا کر اُس کا سر پھاڑ دو گی۔۔!“ غصے سے اُسکو ڈانٹتی کپڑوں کا بیگ سینی سے لگائے شاور میں گھس گئی۔

☆.....☆.....☆

گہرے نیلے رنگ نیٹ کا لونگ فراک جسکے بین والے گلے کے گرد سُرخ موتی اور نگوں کا دلکش سا کام ہوا تھا۔ چوڑی دار پچامے کے ساتھ سُرخ ہی دوپٹہ اور پیروں میں سُرخ کوٹ شووز۔ بالوں کو کھلا رکھ کر سیٹ کر لیا تھا۔ جیولری کے نام پہ کانوں میں چاندی کی جھمکیاں اور سُرخ لپ سنک کے ساتھ آنکھوں میں کا جل لگایا۔ تیاری پہ دوبارہ نظر ڈالے بغیر جلدی میں کمرے سے نکل آئی۔ جتنی تیزی سے وہ باہر آئی تھی۔ اتنی ہی تیزی سے اُسے وہیں روک دیا گیا تھا۔ اور جن ہستیوں نے یہ کام کیا تھا ان سے وہ شکل کیا نام کی حد تک بھی واقف نہ تھی۔۔۔ بس ایک دم سے شور ہی مچ گیا تھا۔ شانزے ممانی اٹھ گئی ہیں۔۔۔ اتنی بلند نعرہ تھا کہ ہو ہی نہیں سکتا کہ گلاب مکھن تک آواز نہ گئی ہو۔ دس بارہ سے بیس بائیس کے درمیان کی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا۔ لڑکے کی شکل سے ہی لگ رہا تھا کہ بخت خاندان کا سپوت ہے کیونکہ اسکی ناک اور پیشانی ابراہیم اور ہارون جیسی ہی تھی۔ وہ شدید ترین کنفیوزن میں باری باری اُن سب کے چہرے دیکھ رہی تھی جو نہ جانے کب سے اُسکے کمرے کے باہر ڈیرہ ڈالے انتظار میں سوکھ رہے تھے۔۔۔

”اسلام علیکم شانزے ممانی۔۔۔!“ اُن میں سے عمر میں جو سب سے بڑی لگ رہی تھی۔ اپنائیت سے بھرپور مسکراہٹ لئے آگے آئی۔

شانزے نے جواباً مسکراتے ہوئے نرمی سے اُسکا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔۔۔

”میں جانتی ہوں آپ ہم میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتی ہیں۔۔۔ اسلیے سب سے پہلے میں تعارف کرواتی ہوں۔ می ماے سیلف سچل یہ میری بہن ہے ماریہ اور ہمارا ماریہ سے چھوٹا ایک بھائی ہے اریان جو کہ ادھر سیٹنگ روم میں ابراہیم کے ساتھ مصروف ہے۔۔۔“

”سچل آپ ممانی کو یہ بھی تو بتاؤ نا کہ ہم انکے لگتے کیا ہیں۔“ ماریہ نے پیچھے سے سچل کو ٹھوکا دیا۔۔۔

”جنگلی لڑکی صبر کر لو بتا رہی ہوں نا۔ ہماری می کا نام شگفتہ ہے اور وہ اچکی سب سے بڑی والی نند ہیں۔ اور یہ جو ہے نا۔۔۔“ سچل نے ماریہ کے ساتھ کھڑے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ کرم الہی ہے بڑے ماموں کا بیٹا۔۔۔“

”اسلام علیکم اینڈ ویلکم ٹو دا فیملی۔“ کرم نے شرمیلی سی مسکراہٹ سمیت ہاتھ ملایا۔ شانزے کو اُسکی مسکراہٹ

بڑی پیاری گی۔ ”تھینک ۲.....“

”اور ممانی کرم سے بڑے چمن بھائی ہیں، وہ ماموں کو لینے گئے ہیں۔ لیس وہ آگئے.....“  
اب ساری پارٹی شانزے کو بھول ہارون کے سر ہو گئی۔

”اتنی دیر لگاتے ہیں آفس سے نکلنے۔ میں ممانی کب کی یہاں کھڑی انتظار کر رہی ہیں۔“ ماریہ نے گھر کا۔  
شانزے تعجب سے سارا سین دیکھ رہی تھی۔

ہارون نے ایک نظر اپنے بھتیجے بھانجیوں پہ ڈالی پھر شانزے کو دیکھا..... ”ہاں تو تم لوگوں کو سیدھے سے کہنا  
چاہیے تھا نہ کہ شانزے بنا رہی ہے۔ اسکے لیے تو میں اپنا ہر ضروری کام چھوڑ کر آجاتا۔ البتہ تم لوگوں کے لیے میں  
اپنا غیر ضروری کام بھی نہ چھوڑوں۔“

سب سے زیادہ ماریہ کی شکل دیکھنے والی تھی۔ ”ہائے ماموں آپ اتنی جلدی بدل گئے۔“

سجّل نے بھی ہنسی روکتے ہوئے دہائی دی۔ شانزے کی نظر ہارون کے ساتھ آئے لڑکے پر پڑی جو کہ یقیناً  
چمن تھا۔ ہارون کی طرح کا ہی قد کا ٹھ مگر جسم ہارون سے تھوڑا بھاری اور موٹھیں بھی بڑی تھیں۔ بالکل روایتی  
وڈیرہ لگ رہا تھا..... چمن کی شانزے سے نظر ملی تو اس نے خوشدلی سے سر ہلا کر شانزے کو سلام کیا۔ اور ساتھ ہی  
کیمرے پہ اپنی گرفت کی۔

”چلیے ہارون صاحب ہماری بہن شانزے کے ساتھ کھڑے ہوں کیا یاد کریں گے ہم لوگ آپ کو یہ اعزاز  
دے رہے ہیں۔۔۔“

چمن کی بات پہ شانزے کو حیرت ہوئی جسکا ہارون فوراً جواب دیا۔ ”یہ مجھے چاچو کی بجائے اپنا بڑا بھائی بولتا  
ہے اسی لیے تمہیں بہن کہہ رہا ہے۔“

دونوں کو ایک ساتھ کھڑا کیا تو ہارون نے شانزے کا ہاتھ پکڑا جس پہ زبردست ہونٹنگ ہوئی۔ چمن وڈیو بنا رہا  
تھا باقی سارے باراتیوں کی شکل میں پیچھے آرہے تھے۔ جب یہ لوگ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ ہر جانب  
سے سُرخ پتیوں کی برسات ہوئی۔ تیز روشنیوں کی مدد سے پروفیشنل فوٹو گرافر کھٹ کھٹ فلش مارے جا رہا  
تھا۔ ان ایکسیپیکٹیڈ سا استقبال تھا۔ شانزے کو اندازہ نہ تھا کہ ایسا کوئی سین پلان کیا گیا ہے۔ وہاں سبھی موجود

تھے۔ ہارون کی بہنیں 'بہنوئی بھابھی اور ابا..... اپنی کیفیت اور بے دلی کو ایک طرف کر کے شانزے نے سلام میں پہل کی دوسری طرف سے تو سب صدقے واری ہو رہی تھیں۔۔۔۔۔

”سوری میری آنکھ دیر سے کھلی۔۔۔“

شانزے کی بات پہ بڑی نندا اور بھابھی نے بڑی شفقت سے ٹوکا ”نہ بالکل نہیں سوری کس بات کا۔“  
 بھابھی نے باری باری سب کا تعارف دیا۔ آخر میں ہارون نے اپنے والد صاحب کی جانب شانزے کی توجہ کرائی۔ اک پل کوڑک کر شانزے نے بڑی گہری نظروں سے ہارون کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ اور آگے بڑھ کر اُسکے بابا سائیں کے سامنے جھکی وہ شانزے نے نہیں جھکی تھی بلکہ انا جھکی تھی۔ تکلیف بھی اسی حساب سے ہوئی تھی۔ بابا سائیں نے بہت چاہت سے اُسکے سر پہ پیار دیکر ڈعا تو دی ہی اور ساتھ میں ایک باکس اُسکے حوالے کیا۔  
 اُسکی ہچکچاہٹ پہ انہوں نے اسرار کیا ”رکھ لو بیٹے یہ میری طرف سے تمہاری منہ دکھائی ہے۔“ اُس نے مزید کچھ کہے بغیر جیولری باکس تھام لیا۔

دونوں کو ایک ساتھ صوفے پہ بیٹھا کر سب بچوں بڑوں نے باری باری دونوں کے ساتھ بہت سی تصویریں بنوائیں۔ اور سب نے ہی شانزے کو گفٹس دیئے۔ حتیٰ کہ ابراہیم اور زری کو بھی گفٹ ملے جس بات پہ ہارون نے کھلا احتجاج کیا۔۔۔

”ارتضیٰ بھائی۔۔۔ یار بے وفائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے“ وہ اپنے بڑے بہنوئی سے مخاطب تھا۔ ”چلو بہنیں بھابھی تو ٹھیک مگر یہ بچہ پارٹی اس قدر بے دید ہوگی یار اُمید بھی نہ تھی۔۔۔“  
 ماریہ گول مٹول سی بڑی معصوم شکل کی لڑکی تھی۔ فوراً ہارون کے گلے میں بانہیں ڈال لیں۔ ”روندو ماموں یو سی شانے ممانی از سو کیوٹ۔۔۔“ (ماموں آپ نے دیکھا شانزے ممانی کتنی کیوٹ ہیں۔)

جواب میں ہارون نے قہقہہ مارا۔۔۔ ”مائے لو آئی رہیلی وانٹ ٹوسی ایگزیکلی ہاؤ کیوٹ شی از ارف اوٹلی شی لیٹس می سی ہر سیلف (میری جان میں تو خود دیکھنا چاہتا ہوں، کہ آخر یہ کتنی پیاری ہے پر اگر وہ مجھے خود کو دیکھنے کی اجازت دے تو تباہ نا)۔

”جھوٹ مت بولیں کب سے انہیں دیکھ رہے ہیں۔“

”اچھا تم میری نگرانی کر رہی ہو؟“

”بڑے بھائی ماریہ آپکی نہیں شانزے بھابھی کی نگرانی کر رہی ہے۔“

چمن کی بات پہ ہارون نے اُسے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ”اویاریہ تو پہلے ہی میرے قابو سے باہر ہے۔ تم لوگوں کو اسکی نہیں بلکہ میری نگرانی کرنی چاہئے بہت خطرناک عورت سے واسطہ پڑا ہے“ سب ہی اُسکی بات کو انجئے کرتے ہوئے ہنس رہے تھے۔

”وڈیرہ سائیں آخر تمہاری بیوی ہے۔ تم ہمیں نہ بھی بتاؤ ہم ویسے ہی جانتے ہیں۔ کیونکہ تمہارے ساتھ کسی دل گردے والی کا ہی گزارہ ہو سکتا ہے۔“

”ایک بات ہے بھائی، تمہاری پسند مجھے تو دل و جان سے پسند آئی ہے بوس میں جان سے پیارہ بھتیجا بھی مل گیا ہے۔“ ہارون سے چھوٹی کشمالہ کی بات پر شانزے نے ایک نظر اُسکی طرف دیکھا جو مسکراتی نظروں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

اسی طرح باتوں اور شرارتوں کے دوران دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔ نوکر چاکر سارے واپس آ کر اپنا کام سنبھال چکے تھے۔ انہوں نے ہی کھانا بنایا لگا لگا گھر کی خواتین ٹینشن فری ہو کر شانزے کے ساتھ گپیں لگاتی رہیں۔ گر وپس فوٹو زاترتے رہے۔ ہارون شانزے ابراہیم اور زری کی اکیلے میں ساتھ بہت سی تصویریں بنیں۔ فوٹو گرافر کی مرضی کے پوز بناتے ہوئے شانزے کا دل اُداس ہوا۔ اُس نے اپنے ساتھ کھڑے ہارون کے کان کے قریب آہستہ سے کہا۔ ”جب انجام کا پتا ہے تو پھر ان ڈھکوسلوں کی کیا ضرورت نکلتی ہے؟؟“

ہارون نے ایک پل کو گردن موڑ کر اُسکی آنکھوں میں دیکھا۔ ”چلو اگر تم نہ ملیں تصویریں ہی سہی..... ویسے مجھے یقین ہے آنے والے دنوں میں ان تصویروں کو تم ہی سب سے زیادہ سنبھال کر دل کے قریب رکھو گی“

شانزے ہارمان لیتی تو شانزے نہ ہوتی۔۔ ”ہاں تو کیا عجب بات ہو گی میرا بیٹا بھی تو ہے ان تصویروں میں ظاہر سی بات ہے سنبھال کر دل کے قریب ہی رکھوں گی۔“

ہارون دھیرے سے مسکرا دیا۔ ”تو پھر اپنے بیٹے کا ہی منہ چوم چوم کر شوٹس کرواؤ ناں میری بیٹی کے ساتھ کیوں بخوار ہی ہو۔“



شانزے نے بے ساختہ اسکی انگلی تھام کر کھڑی زری کو دیکھا۔۔۔ ”یہ بڑی پیاری ہے ہارون کاش یہ تمہاری بجائے میری بیٹی ہوتی۔۔۔“ ہارون کا قبہہہ جاندار تھا۔ ”میں تمہاری ساری چال سمجھ رہی ہو مگر آدمی اتنی معصومیت سے کھیل رہے ہو“

ہارون نے لاعلم بنتے ہوئے پوچھا۔۔۔ ”کیا مطلب؟“

شانزے کلس کہ رہ گئی ”کاش تم حقیقت میں بھی اتنے ہی معصوم اور بے ضرر ہوتے۔۔۔“

ہارون پھر کھل کر مسکرایا۔۔۔ ”وہ تو میں ہوں شانے تم ابھی جانتی ہی کیا ہو؟۔۔۔“

اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی فونو گرافر بول اٹھا۔۔۔ ”سریم۔۔۔ پلیز آپ باتیں بعد میں کر لیجئے گا ابھی

تصویریں خراب ہو رہی ہیں۔“

ابراہیم نے ہنستے ہوئے باری باری دونوں کو دیکھا۔۔۔ پھر اور زیادہ زور سے ہنس دیا۔ ہارون نے اُسکا

بھر پور ساتھ دیا۔ شانزے نے جھینپ کر دونوں کو گدھوں کی طرح ہنستے ہوئے دیکھ کر گھورا پھر نہ جانے کیا ہوا کہ

خود بھی ہنستی چلی گئی۔ فونو گرافر نے تعجب سے دیکھتے ہوئے سارے مناظر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیئے۔ بھابھی

نے اُن چاروں کا صدقہ دیا۔۔۔ سب نے ہی اُن لوگوں کی ابدی خوشیوں کی ڈیجیٹل مگر قدرت دور کھڑی اور ہی

فیصلے کر رہی تھی یا شانہ فیصلے تو پہلے سے ہی کیے جا چکے تھے۔



ڈرائیور اُن لوگوں کو ائر پورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔ ہارون گھر سے نکلنے سے پہلے بھی فون پہ ہی مصروف تھا

اور اس وقت بھی فون پہ ہی تھا۔ مگر وہ اپنے برابر بیٹھی اپنی بیوی سے بھی باخبر تھا۔ جو کھڑکی کے شیشے سے سر لگائے

ہارون کو مکمل انگوڑی کے مسلسل باہر دیکھ رہی تھی۔ شانزے کی آنکھوں میں نمی تھی۔ اُس نے سبھی کو ابراہیم کے حوالے

سے ہزاروں ہدایات دیں۔ پہلی دفعہ اُسے یوں آلموسٹ اجنبی لوگوں میں چھوڑ رہی تھی۔ دل کا گھبرانا اور اُداسی

نارمل چیزیں تھیں مگر ابھی اسکے ذہن میں ابراہیم تو تھا ہی پر وہ بھی تھی۔ جو ساری شام اُسکے پہلو سے لگی بیٹھی تھی۔

اپنے سب کزنز اور پھوپھیوں کو بار بار بتاتی کہ شانزے اُسکی ممی ہے..... حقیقت یہ تھی کہ اُس مؤمنی صورت اور

پھولوں جیسی باتیں کرنے والی نے اسکا دل اپنی مٹھی میں کر لیا تھا۔ ابراہیم نے تو آرام سے بول دیا تھا ”ممی

میٹ آؤف لک اینڈ انجوائے یوڈر ٹرپ ڈونٹ ایون وری آباؤٹ می۔۔۔ آئی ول ٹیک کیئر آف مائے سیلف۔ (مئی میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں اپنا ٹرپ پہ اچھا ٹائم گزاریں۔۔۔ اور میرے بارے میں بالکل بھی پریشان نہیں ہونا میں اپنا پورا خیال رکھوں گا۔) ”اور پھر وہ تھی جو بار بار اُسکے گلے میں بانہیں ڈال کر جلد لوٹ آنے کے وعدے لے رہی تھی۔ ساتھ ساتھ یہ باور کرواتی جا رہی تھی کہ وہ شانزے کو کتنا مس کرے گی۔ روز ویڈیو کال پہ بات کرنے کے وعدے اتنے سارے چاکلیٹس لانے کے وعدے.....۔۔۔ اگر تو کوئی بڑی عمر کا فرد ہوتا یا ٹین ایجر ہی سامنے بیٹھ کر وہ سب کہتا جو شانزے سے زری نے کہا تو وہ بڑے آرام سے کہتی کہ بھئی یہ ڈرامے بازی بند کرو ابھی پہلی دفعہ ہم ملے ہیں۔ یہ فرسٹ سائٹ لوکاسین کیسے ہو گیا؟..... مگر وہ صرف تین سالہ بچی تھی یہ سوچ سوچ کر شانزے کا دل ڈوبا جا رہا تھا کہ اتنی چھوٹی سی بچی ڈرامے نہیں کر سکتی.....۔۔۔ بس ایسا لگ رہا تھا کہ دل ادھر گھر پہ ہی رہ گیا ہو۔ ہارون کی تیز آواز نے اُسے سوچوں سے باہر کھینچا جو کہ فون پہ ہی لگا کسی کو بری طرح ڈانٹ رہا تھا۔

”اَوئے یار اب پتا نہیں تمہاری عقل موٹی ہے یا کہ مجھے اپنی بات سمجھانی نہیں آتی..... اپنے باپ کو بیچ میں مت لاؤ کیونکہ یہ جو تمہیں دو ہفتوں کا ٹائم زیادہ دیا گیا تھا یہ صرف تمہارے والد صاحب کے نام کو ہی دیا تھا۔۔۔ اور تمہارا ہزار کا نقصان ہوا لاکھ یا کروڑ کا آئی ڈونٹ گیو اڈیم مجھے اسی معیار کا مال چاہیے جس کا آڈر دیا تھا۔ تم اگلے ہفتے تک مال دے سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ ہمارا اور اپنا ٹائم برباد نہ کرو۔۔۔ اور اب مجھے فون مت کرنا جو بات ہو میرے شاف سے کرو..... بائے۔۔۔“

فون بند کر کے سیٹ پہ پھینکا۔ اُسکے چہرے پہ غصہ اور بیزارگی چھلک رہی تھی۔ مگر جب اُس نے اپنے بالوں میں ہاتھ چلا کر گہرا سانس بھر کر شانزے کی جانب دیکھا تاثرات بدل چکے تھے۔۔۔ مگر شانزے نے گچھ بھی کہے سنے بغیر دوبارہ باہر دیکھنا شروع کر دیا.....۔۔۔ اُنکو ڈراپ کر کے ڈرائیور واپس روانہ ہو گیا۔۔۔ سکیورٹی اور چیک ان کے تمام مراحل اسی خاموشی سے طے ہوئے۔۔۔ دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی.....۔۔۔ بورڈنگ کے وقت پھر وہ کھڑکی کی جانب بیٹھی..... جہاز کے ٹیک آف تک وہ صبر سے خاموش بیٹھا رہا جب ایک دفعہ جہاز فضا میں بلند ہوا وہ بھی سیدھا ہو گیا۔

”ہاں بھئی اب کیا یہ سارا وقت یوں منہ مٹھلا کر ہی طے کرنا ہے۔۔۔؟“

شانزے نے اُسکا ہاتھ جھٹکا۔۔۔ ”ہارون تنگ نہ کرو میں پہلے ہی اُداس ہوں.....“

ہارون نے ایک دفعہ پھر اُسکی گال کے نیچے رکھا اُسکا ہاتھ کھینچا ”اُداسی کی وجہ کیا ہے؟“

شانزے نے گردن موڑ کر گھورا۔۔۔ ”ہاں جیسے تمہیں ہی تو میں بتاؤں گی ناں اپنی اُداسی کی وجہ۔۔۔“

وہ مدھر سا مسکرایا۔ ”ٹیکنیکلی تو اب صرف مجھے ہی بتائی جانی چاہیے۔۔۔ کیا ابراہیم کی وجہ سے اُداس ہو؟“

ہارون کے سوال پہ اُس نے نفی میں گردن ہلا کر اُسے حیران کیا۔۔۔ جس پہ ہارون نے پھر پوچھا ”تو پھر؟“

”ہارون اس وقت میں بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔۔۔ مجھے نیند آرہی ہے۔۔۔ تم بھی سو جاؤ یا پھر

ایسا کرو اپنا آفس کا کام کر لو۔۔۔ پرائیویٹ انر لائن ہے فون استعمال کرنے دیتے ہیں۔۔۔“ اتنا کہہ کر اُس نے

اپنی سیٹ پیچھے لوکی اور اپنے چہرے پر اپنا دوپٹے کا پلو ڈال کر نیم دراز ہو گئی۔

ہارون سمجھ نہ سکا آیا یہ مشورہ تھا کہ طنز کا تیر۔۔۔ فوراً اُسکے چہرے پر سے پلو ہٹایا۔۔۔ ”کس قدر ظالم عورت

ہو یا ر۔۔۔! ساری رات سوتی رہی تھیں۔ دن کے بارہ بجے سو کر اُنھیں تھی اب پھر تمہیں نیند آرہی ہے۔۔۔ میں بھی

تو ہوں صبح چھ بجے سے جاگ رہا ہوں سارا دن مصروفیت میں گذرا اس وقت اتنی تھکن ہو رہی ہے پر پھر بھی تمہیں

کمپنی دے رہا ہوں اور تمہیں بالکل احساس ہی نہیں۔“

شانزے نے زچ ہو کر دانت پیسے ”ہارون اس وقت ٹائم جانتے ہو کیا ہوا ہے؟ صبح کے ساڑھے چار ہو

رہے ہیں اس لیے مجھے نیند بھی آرہی ہے اور میں تھکی ہوئی بھی ہوں“ اُس نے ایک دفعہ پھر دوپٹہ سیدھا کیا

”تم نے کیا ہی کیا ہے سارا دن جو تھک گئی ہو۔۔۔ صرف زری کو گود میں لیے بیٹھی رہی ہو“

ہارون کی بات پہ اُس نے شکوے سے اُسے دیکھا ”ہارون تمہیں نہیں لگتا کہ جو تم نے میرے اور زری کے

ساتھ کیا ہے اُس پہ تمہیں ڈوب مرنا چاہئے.....“

ہارون نے ہنسیوں اُچکا کر اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ”لڑنے کے لیے یہ جگہ انتہائی غیر موزوں ہے ایسا کرو

سو جاؤ تم واقعی تھکی ہوئی ہو۔“

شانزے نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا ”کینے مکار آدمی میرا جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں اُٹھا کر

جہاز سے باہر پھینک دوں۔“

ہارون نے اپنے تہقہے کا گلا گھونٹا۔۔۔ ”سمجھ جاؤ پھر میں کیوں لڑائی والی باتوں سے پرہیز کر رہا ہوں۔“

شانزے نے ایک جھٹکے سے دوپٹہ چہرے پہ ڈالا..... اب وہ مزید کوئی بات نہ کرنا چاہتی تھی..... اور پھر ہوا یہ کہ جو سونا چاہ رہی تھی۔ اُسے تو نیند نہ آئی اور جو یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ نیند آئی ہی نہیں وہ کب نیند کی وادیوں میں اُترا خود اُسے بھی معلوم نہ ہوا ہوگا۔۔۔ شانزے نے ریموٹ لیکر اُسکی سیٹ پیچھے کو دھیرے دھیرے کر کے لٹا دی تاکہ آرام سے سوتا رہے ساتھ ہی ایک چادر کھول کر اُسکے اوپر پھیلا دی۔۔۔ لمبا چوڑا وجود اس وقت جینز پہ وائٹ کاٹن کی شرٹ کے ساتھ بلیک لیڈر کی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ دونوں بازوؤں سینے پہ باندھے تھوڑا سا منہ کھولے ہلکے ہلکے خراٹے بھر رہا تھا..... بال جو سارا دن ایک مخصوص سٹائل میں نظر آ رہے تھے اس وقت لا پرواہی سے پیشانی پہ بکھرے ہوئے تھے۔ شانزے بہت دیر تک خاموش نظروں سے اُسکے نقوش اور حلیے کا جائزہ لیتی رہی۔ کوئی آدھا گھنٹہ گزرا ہوگا کہ ہارون نے نیند سے بھری آنکھوں کو بمشکل کھول کر اک لمحے کو اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”شانزے اب اتنی غور سے بھی نہ دیکھو کہ میں سو بھی نہ پاؤں۔“ ساتھ ہی دوسری طرف کروٹ لیکر پھر غافل ہو گیا۔

شانزے کی منہ حیرت سے کھلا ”سوتے میں فرشتوں نے آکر بتایا کہ میں دیکھ رہی ہوں؟؟“

دوسری جانب سے آنے والے جواب پہ اُسکا جی چاہا کوئی بھاری چیز اٹھا کر اُس کے سر پہ مارے جو کہہ گیا کہ۔ ”فرشتوں نے تو نہیں البتہ میرے دل نے بتا دیا کہ کوئی مجھے بڑے پیار سے دیکھ رہا ہے۔۔۔“

شانزے گچھ بھی کہے بغیر اُسکے طرف سے رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔

اِز پورٹ سے باہر آنے پر ایک باوردی ڈرائیور ہارون کے نام کا کارڈ اٹھائے انتظار میں کھڑا تھا.....۔۔۔ ہارون کے قریب آکر سلام لینے پر ڈرائیور خوش اخلاقی سے سلام کا جواب دیکر ہارون کے ہاتھ سے سامان والی ٹرائی لیکر آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں بھی ساتھ ہی تھے..... ایک دفعہ ہوٹل کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ویٹر سامان رکھنے کے بعد ٹپ لیکر روانہ ہوا تو شانزے نے ہارون کی جانب دیکھا۔

”کیا مجھے ایک گھسا پٹا سوال کرنا چاہئے۔۔۔؟“

ہارون نے اُسے غور سے دیکھا۔۔۔ ”کیسا سوال۔۔۔؟“

شانزے نے آنکھیں مٹکانیں ”یہی کہ ہارون صاحب کیا دو جوان اور اجنبی لوگ ایک کمرے میں اکٹھے رہیں گے؟“

ہارون کا قہقہہ زندگی سے بھرپور تھا ساتھ ہی اُس نے بازو پھیلا کر سوئٹ کی طرف توجہ دلائی۔۔۔ ”مائے لیڈی آپ جیسی جنگجو میری جوانی کا ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے یہی سوچ کر میں نے پورا سوئٹ بک کر دیا ہے۔۔۔“

شانزے ہنستی چلی گئی۔ دونوں نے فریٹش ہو کر کپڑے وغیرہ بدلے۔

نیچے جا کر زبردست سانس لیج کیا اور ہوٹل کی گاڑی پہ دونوں ایک دوسیا جی مقامات پر گئے جہاں کی بہت سی تصویریں لیں.....۔۔۔ رات کو یونہی ساحل سمندر پہ چہل قدمی کرتے ہوئے باتیں کرتے رہے۔

”تمہاری معلومات سے تو ایسا ہی لگتا ہے کہ کافی آتے جاتے ہو گے۔۔۔“

ہاتھ میں پکڑے کین میں سے سیپ لیتے ہوئے ہارون نے سامنے سے گزرتے جوڑے کو دیکھا۔ پرسن وہ شانزے کو ہی رہا تھا ”کہاں یار۔۔۔!! جب سے بزنس کے بکھیڑوں میں پڑا ہوں یہ پہلی دفعہ ہوا ہے کہ دو ویک مسلسل آف رہ رہا ہوں۔ ورنہ تو میری روٹین کسی بابے جیسی ہی رہی ہے۔ ایک دم بور کوئی بہت ہوا تو مہینے میں اک عدد ڈیٹ مارلی بس۔“

شانزے کے لب او دو کی صورت میں واہ ہوئے..... ”اُوو۔۔۔!“ ہارون خوبصورتی سے مسکرا دیا۔

”سب سے اچھی ڈیٹ کونسی تھی اور سب سے بُری کونسی۔۔۔؟“

شانزے کے اگلے سوال پہ اُس نے غور سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا ”آر یوشیور کہ تمہیں بُرا نہیں لگے گا؟“

شانزے اُسکی شرارت سمجھ رہی تھی اسلئے بولی۔۔۔ ”ہاں دکھ تو بہت ہو گا مگر سچ جانا بھی ضروری ہے۔“

ہارون نے نفی میں سر ہلایا۔۔۔ ”نہ نہ میں کوئی ایسی بات ہرگز نہیں کر سکتا جس سے میری جان کو تکلیف ہو۔“

شانزے نے ریت سے مٹھی بھر کر اُس کے اوپر اچھا دی۔۔۔ ”ڈرامے باز انسان خبردار جو میرے لئے

ایسے بے ہودہ الفاظ استعمال کئے۔“

ہارون نے صدمے سے اپنی پلین وائٹ شرٹ کو دیکھا۔۔۔ ریت اُسکے سینے تک جا کر گری تھی۔۔۔ ”یو آر ون ڈی نیچرس وو مین.....!!“ ساتھ ہی وہ اپنے جوتے اتارنے لگا ”خیر ایسی گستاخی میں برداشت نہیں کرتا خاص کر کہ جب ایک ظالم حسینہ کی طرف سے کی گئی ہو۔۔۔ سو بے بی لٹس گو فور آ سوئم.....“

شانزے نے مزے سے نفی میں سر ہلایا۔ ”سوچنا بھی مت اتنی سردی میں کھلے پانیوں میں نہا کر مرنا تو نہیں۔“

ہارون جوتوں کے بعد اب جرابیں اتار رہا تھا۔۔۔ شانزے کی بات پہ قہقہہ لگایا۔ ”پاکستان میں تھی سردی ادھر نہیں ہے ان فیکٹ سوئمنگ کے لیے بڑا شاندار موسم ہے۔“

ڈوبتے ہوئے سورج کے آخری پلوں کی روشنی آسمان کو ادور بھی خوبصورت بنائے ہوئے تھی۔ ”گیٹ اپ شانزے۔۔۔!“ اب وہ اپنی جینز کے پانچے فولڈ کر رہا تھا۔

”دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔۔۔؟ میں کبھی بھی اس طرح پانی میں نہیں جاؤں.....“

وہ اپنی جگہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ ”تو کس طرح جاؤ گی۔۔۔؟“

ہارون کو گھورتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ ”تم چلے جاؤ پانی میں، میں ادھر تمہارا انتظار کرتی ہوں۔۔۔“ پارکنگ کی طرف اشارہ کر کے آگے بڑھی ہی تھی کہ ہارون نے پیچھے سے بازوؤں کے گھیرے میں لیا اور پانی کی طرف چل پڑا۔۔۔ ”واٹ دا ہیل ہارون چھوڑو مجھے۔۔۔!! خبردار جو مجھے زبردستی پانی میں لیکر گئے۔۔۔“

ہارون کا چہرہ اُسکے کان کے قریب تھا۔ ہنستے ہوئے بولا۔ ”جلدی کر لو جو بھی اپنے دفاع میں ایکشن لینا چاہتی ہو کیونکہ پانی قریب آ رہا ہے۔۔۔“

وہ ہاتھ پاؤں مار کر اپنے آپ کو چھڑوانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ ”ہارون اگر تم نے مجھے نہ چھوڑا تو میں تمہیں ابھی کے ابھی طلاق دیکر پاکستان واپس چلی جاؤ گی۔۔۔“

ہارون کا قہقہہ فلک شکاف تھا۔ ”میں نے طلاق کا حق تمہیں دیا ہی نہیں۔۔۔ نکاح نامہ فارمز کے مطابق طلاق کا حق صرف میرے پاس ہے۔۔۔“

شانزے نے اُسکے بازو پہ اپنے ناخن گاڑ دئیے۔ ”ہارون مجھے نیچے اُتارو ورنہ میں بتا رہی ہوں کینے انسان میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑو گی۔۔۔!!“

وہ اب بھی ڈھٹائی سے مسکراتا آگے ہی بڑھ رہا تھا۔۔۔ پانی ہارون کے گھٹنوں تک آ گیا تھا۔۔۔ ”میں بھی تو یہی چاہتا ہوں کہ تم مجھے نہ چھوڑو۔۔۔“

”ہارون مجھے تیرا نہیں آتا۔۔۔!!!“

”میں اب اتنا بھی بے حس نہیں کہ تمہیں ڈوبنے دوں۔۔۔“ ساتھ ہی اُسے سر تک آتی گہرائی والے پانی میں پھینک دیا۔۔۔ شانزے کی چیخ نکلی تھی اور پھر وہ پانی میں دوچار غوطے کھا کر غصے سے بے حال ہوتی تیرنے کی ناکام کوشش میں بار بار پانی میں جا رہی تھی۔۔۔ وہ ایک ہی ڈائیو میں اُسکے قریب آیا..... دھیرے سے تھام کر اُسے اپنے ساتھ لگایا۔۔۔ تھوڑی ہی دیر میں اُسکی سانس پھول چکی تھی..... اُس نے سختی سے ہارون کی شرٹ گریبان سے تھام لی۔

”تمہیں تو واقعی تیرنا نہیں آتا۔۔۔“

شانزے نے اپنی سرخ ہوتی آنکھوں سے اُسے گھورا اور اپنی دونوں مٹھیوں میں اُسکے بال بھینچ لیے ”کینے انسان تو میں کیا جھوٹی بکواس کر رہی تھی۔۔۔ اب میں ان گیلے کپڑوں کے ساتھ ہوٹل تک کیسے جاؤں گی۔“ ہارون نے بال چھوڑنے کو نہیں کہا بلکہ پانی میں ڈبکی کھا گیا۔۔۔ خود بخود بال چھوٹ گئے..... بلکہ وہ پھر حواس باختہ سی ہو کر چلائی۔

”ہارون.....!!!“

اُسکی پشت کی جانب کھڑا ہوا۔ اور اسکا ہاتھ تھام کر کنارے کی جانب لے آیا۔ جب پاؤں کے نیچے ریت آگئی اُس نے شانزے کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

”یہاں بیٹھ کر اپنی سانس ہموار کرو میں ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔۔۔“ اور وہیں شانزے کی آنکھوں کے سامنے ہی پانی میں ڈائیو لگا کر اپنے لمبے بازوؤں کی مدد سے تیرتا منٹوں میں دور نکل گیا۔

اُس کے کپڑے تو پوری طرح بھیگ چکے تھے۔۔۔ لائٹ سکن ٹراؤزر پہ بٹنوں والی سفید سلک کی شرٹ پہن

رکھی تھی۔۔۔ گلے میں ڈالاسکارف نچوڑ کر اچھی طرح سینے پہ پھیلا کر آہستہ آہستہ چلتی پانی سے باہر آگئی۔۔۔ ہارون کے جوتے وہیں ریت پر پڑے تھے۔۔۔ جنہیں اٹھا کر اُس نے دور پانی میں اچھال دیا۔۔۔ اور ہارون کا انتظار کئے بغیر ڈرائیور کے ساتھ ہوٹل واپس آگئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر کے نہا کر چنچ کیا۔ گھر فون کر کے ابراہیم اور زری سے بات کی۔۔۔ اب اندھیرا پوری طرح سے چھا چکا تھا۔ اُس نے اپنے کمرے کے پردے برابر کئے۔ اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔ جلد ہی نیند کی دیوی اُس پہ مہربان ہوگئی۔۔۔

نہ جانے کتنی دیر سوئی ہوگی کہ تیز میوزک کی آواز پہ آنکھ کھلی۔۔۔ کمرے کی ساری لائٹس آن تھیں۔ ٹی وی اونچی آواز پہ چل رہا تھا۔ اور وہ جس کی وجہ سے وہ دروازہ لاک کر کے سوئی تھی۔۔۔ گیلے بالوں کو تویلے سے رگڑنے کے بعد ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بنا رہا تھا۔

”تم اندر کیسے آئے۔۔۔؟“

اک لمحے کو اُس نے گردن موڑ کر شانزے کو دیکھا اور برش سے دروازے کی سمت اشارہ کیا۔

”پردروازہ تو لاک تھا۔“

اب وہ برش رکھ کر مڑا اور دوسری طرف آ کر بیڈ پہ ڈھیر ہو گیا ”ہاں تو لاک کھول کر ہی آیا ہوں اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے۔۔۔“ ”طمینان سے کہتے ہوئے سائیڈ دراز سے انٹرکام اٹھا کر ڈزمنگوا یا۔ ہارون کے پرفیوم اور شیمپو کی خوشبو نے کمرے کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔۔۔

”ہارون تم یہاں سے جاؤ۔۔۔!“ وہ جو ریویوٹ سے چینل بدل رہا تھا۔ اُس کی طرف متوجہ ہوا۔۔۔

ہونٹوں پہ بڑی دلکشی ہنسی تھی۔ ”ڈر رہی ہو۔۔۔؟“

شانزے اٹھ کر سیدھی ہونٹھی ”مجھے پہلے ہی تم پہ بہت غصہ ہے مزید کوئی فضول بکو اس نہیں سنوں گی۔“

اب وہ ریویوٹ ایک طرف رکھ کر پوری طرح اُسکی طرف متوجہ تھا۔ ”ایگزیکٹو مائے پوائنٹ!! میں بھی تو یہی چاہ رہا ہوں۔۔۔ فضول کے نخرے اور غصہ کھڑکی سے باہر پھینکو بی کوزو وائی آر ہیر ٹوانجوائے آؤر ٹائم۔۔۔

اچھا یہ تو سنو میں واپس کیسے آیا ہوں۔ میرا تو جوتا بھی پانی پہ تیرتا ہوا جا رہا تھا۔ تب ہی وہاں سے دو عربی لڑکیاں گزر رہی تھیں۔ میں نے تو ایویں کہہ دیا کہ ہوٹل تک لفٹ چاہئے پر وہ تو سیریسلی مان گئیں۔ میں نے کل اُن



دونوں کو ذرکی دعوت دے دی۔۔۔ آئی ہو پ یو و ونٹ مائیڈ۔۔۔“

وہ مسلسل اُسے گھور رہی تھی۔۔۔ ”مجھے کیا تکلیف ہونی ہے چاہو تو انکی فیملیز کو بھی انوائٹ کر لو ہو سکتا ہے اُن میں سے کسی ایک کا باپ تمہیں داماد کے طور پہ قبول کر لے۔“

ہارون کے چہرے پہ صدمے کی کیفیت تھی، واٹ دافش۔۔۔!! شانزے بیوی ہو کے دشمن۔۔۔!! کیا اتنا گیا گذرا سمجھ لیا ہے مجھے۔ کہو تو ابھی یہاں لڑکیوں کی لائن لگا لوں.....“

شانزے کھل کر مسکرائی۔ ”اوہ پلیز گواہیڈ۔۔۔ میں ایسے تاریخی لحات کبھی مس کرنا نہیں چاہوں گی۔ خود اپنے منہ سے اعتراف کر چکے ہو مہینے میں اک عدد ڈیٹ کا اور بات کر رہے ہو لڑکیوں کی لائن لگانے کی۔۔۔“

ہارون نے ہنسیوں اچکا کر اسکی آنکھوں میں دیکھا ”بے بی نیور انڈر اسٹیٹیمٹ داپا و آف آہنڈس مین۔!!“

شانزے ہنسی تو ہنستی ہی چلی گئی۔۔۔ ”ویسے تم ایک وقت میں کتنی ڈھیر ساری غلط فہمیوں کا شکار ہو۔۔۔“

”باہر دستک ہو رہی ہے میں دیکھ لوں یقیناً کھانا آیا ہے۔۔۔ تم سے بعد میں نمٹتا ہوں ابھی فریش ہو کر آؤ کھانا کھاتے ہیں۔“

ہارون کے کمرے سے جانے کے بعد وہ اٹھ کر منہ دھونے چلی گئی کچھ بھی تھا بھوک زور کی لگی ہوئی تھی۔۔۔ جب تک وہ فارغ ہو کر باہر آئی ہارون کھانا باہر بالکونی میں لگوا چکا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ رات کے ساڑھے گیارہ کا ٹائم تھا۔ مصنوعی روشنیوں کے ساتھ ساتھ چاند بھی پورے جو بن پہ تھا۔ مزے دار کھانا خوبصورت پُر سکون ماحول میں کھایا طبیعت شاد ہو گئی تھی۔ شانزے کو کھانے کے بعد کافی کی طلب ہوئی تو بنانے کے لئے خود ہی سوئٹ میں موجود چھوٹے سے کچن کی طرف آگئی جہاں چائے کافی کا سامان موجود تھا۔ ایک

ساتھ دو کپ بنا کر باہر آگئی۔ ہارون وہیں آؤٹ ڈور چیمبر پہ نیم دراز تھا۔ شانزے نے کپ دیا جسے اُس بمرہ شکر یہ کے موصول کر لیا۔

”ویسے میں ایک بات بہت دفعہ سوچ چکا ہوں۔“

شانزے نے اپنی سیٹ سنبھالنے کے بعد سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”یہی کہ میں نے ولی اور شمن بھابھی کی شادی پہ ہی کیوں نہیں تمہیں غور سے دیکھا۔ بلکہ واٹ آشیم کہ مجھے

علم ہی نہ ہو سکا کہ تم بھی اس دنیا میں پائی جاتی ہو۔“

شانزے نے کندھے اچکائے۔ ”ہارون اس سے کیا فرق پڑنا تھا؟“

ہارون نے دور خلا میں دیکھا۔ ”اوہ یارہ ٹائم کی بچت ہونی تھی۔ اب تک ہم لوگ.....“

اُس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ شانزے نے بیچ میں ہی ٹوک دیا۔ ”اچھا بس بس زیادہ روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ میں اس وقت یہاں اپنی چاہت سے نہیں بلکہ تمہاری بلیک میلنگ کی وجہ سے موجود ہوں۔“

ہارون نے کندھے اچکائے۔ ”اس سے کیا فرق پڑتا ہے اصل تو حقیقت ہے کہ تم ادھر ہو میرے

ساتھ۔۔۔ اینڈ دیش آل وٹ میٹرز ٹومی۔۔۔ اور تم میرا شکریہ کب ادا کر رہی ہو۔؟“

شانزے دھیرے دھیرے کافی کہ سپ لے رہی تھی۔ ”شکریہ کس لیے۔۔۔؟“

ہارون نے وہیں لیٹے لیٹے اپنا رخ اُسکی جانب موڑا۔ ”تمہیں ساری رات بھوکے سونے نہیں دیا۔ اتنا

مزے کا ڈنر کروادیا۔“

شانزے دھیرے سے مسکرائی۔ ”خوش فہم ہونے کے ساتھ ساتھ شہدے بھی راج کے ہو۔“

”کوئی نہیں کر لو انکار میڈم ایک دن خود سے میری خوبیوں کی متعارف ہوگی۔۔۔“ شانزے اُسے چڑانے کو

مسلل مسکرا رہی تھی۔

ایک دم وہ سیدھا ہو کر اٹھ بیٹھا۔ ”چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔۔۔۔۔“

شانزے نے تعجب سے گھوڑا۔۔۔ ”اس وقت تو بالکل نہیں کل بھی نیند پوری نہیں ہوئی ابھی پھر تم نے نیند

خراب کی اب میں دوبارہ سے سونا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔“

ہارون نے براہ سمانہ بتایا۔۔۔ ”تم یہاں سونے اور نیند پوری کرنے آئی ہو؟“

شانزے نے اثبات میں سر ہلایا۔۔۔ ”ویسے کیا میں تم سے ایک فرمائش کر سکتی ہوں؟؟؟“

ہارون نے کپ لبوں سے دور ہٹا کر شانزے کو دیکھا ”فرمائش؟ کیسی فرمائش شاپنگ کرنا چاہتی ہو؟؟؟“

شانزے نے نفی میں گردن ہلائی۔

”تو پھر کیا لینا چاہتی ہو مانگو۔“

شانزے نے براہ راست اُسکی آنکھوں میں دیکھا ”پہلے وعدہ کرو جو مانگوں گی دو گے۔۔۔“

ہارون نے نفی میں سر ہلایا ”میں وعدہ کر لوں اور تمہارا کیا علم عین ہنی مومن کے درمیان میں طلاق مانگ لو۔“

شانزے کا قہقہہ دیر تک گونجا ”کئی باتیں بچوں کی سی مصصومیت سے کرتے ہو۔ میں اس وقت بس یہ چاہتی

ہوں۔ کہ تم مجھے ادھر عرب عورتوں کا بیلی ڈانس دکھانے لیکر جاؤ۔۔۔۔۔“

ہارون کی دونوں آنکھیں پوری کی پوری کھل کر شانزے کو گھور رہی تھیں ”آر یوشیور کہ یہی چاہتی ہو؟“

شانزے نے فٹ سر اثبات میں ہلایا۔ تھوڑی دیر اُسے دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلادیا ”امپاسبل۔۔۔!!“

شانزے کا منہ لٹک گیا ”کیوں۔۔۔!! پلیز دیکھنے چلیں گے ناں مزا آئے گا۔ اتنا کمال ڈانس کرتی ہیں۔“

ہارون نے خالی کپ سائیڈ پر رکھا ”آئی جسٹ کانٹ بیلو کہ میرے گناہگار کان کیا سن رہے ہیں۔۔۔“

میری بیوی۔۔۔ اوی یعنی کہ مخدوم ہارون بخت کی بیوی بیلے ڈانس رکود دیکھنا چاہتی ہے۔“

شانزے کی ہنسی نکل گئی ”سوچ لو میری پہلی دفعہ کی گئی فرمائش پوری نہیں کر سکتے ہو تو میرے ساتھ ساری

زندگی کیسے گزارو گے؟؟“

ہارون نے ہاتھ اٹھا کر اُسے متوجہ کیا۔۔۔ ”جانتی بھی ہو قریب سے اُن عورتوں کا حسن کس قدر قاتل ہوتا

ہے یہ نہ ہو کہ شوہر ہی گنوا کر آ جاؤ۔۔۔“

شانزے نے فوراً اثبات میں سر ہلایا ”اوہ پلیز ایسا ہو جائے تو میں خوشی خوشی تمہیں وہاں چھوڑ آؤ گی۔۔۔“

ہارون کا قہقہہ جاندار تھا ”پھر تو میں بالکل بھی تمہاری فرمائش پوری نہیں کر رہا۔“

شانزے نے احتجاج کے ساتھ نئی تجویز بھی رکھی۔ ”تمہاری کہی بات تمہیں واپس دیتی ہوں لیٹس جسٹ

فور گیٹ آ باؤٹ بینک میر ڈٹو ایج ارد۔۔۔ کیونکہ جب بھی میں یہ سوچتی ہوں کہ ادھر کیوں اور کس کیساتھ موجود

ہوں۔ تو جی یہی چاہتا ہے کہ بھاگ جاؤں۔“

ہارون مسکرایا ”مگر میں تو نہیں چاہتا کہ تم ایسا فرض کر کے بھی خوش ہو کہ میں تمہارا کچھ نہیں لگتا ہوں۔“

شانزے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ ”خیر ابھی میں سونے جا رہی ہوں۔ کل بات کریں گے۔“

ہارون بھی اٹھ کر اُس کے ساتھ چل دیا۔۔۔ شانزے نے قدم روکے اور مُذکر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔۔۔ ہارون کندھے اچکاتے ہوئے مسکرا دیا۔۔۔ ”تم سو جانا میں تمہیں ہرگز ڈسٹرب نہیں کروں گا مگر اپنے ہنی مومن پہ میں اکیلا بیٹھ کر دکھی گانے نہیں سن سکتا.....“

شانزے کو کھلا اختلاف تھا۔ ”مگر میں تمہاری موجودگی میں سو کیا خاک سکوں گی۔“

ہارون کے چہرے پہ شرارت اُبھری۔۔۔ ”ڈونٹ ٹیل می شانزے میڈم کو میری موجودگی ابھی سے اس قدر ڈسٹرب کرنے کا باعث بن رہی ہے۔۔۔ اوہ۔۔۔ ساؤنڈز ٹو اسکا سٹیٹنگ.....!!“

شانزے نے تاسف سے سر نئی میں ہلایا۔۔۔ ”اگر یہ بات ہے تو آؤ میرے پہلوان تم میرے کمرے میں ہی سو جاؤ آخر میں بھی تو دیکھوں تمہاری جوانی کے جلوے کیسے مجھے جلا کر بھسم کرتے ہیں۔“ کمر پہ بازو جما کر دوسرے ہاتھ سے چیخ کرتی آگے بڑھ گئی۔۔۔ جبکہ وہ قہقہوں کے درمیان اس کے پیچھے چل پڑا۔



شانزے کی آنکھ جس وقت کھلی کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اے سی کی ٹھنڈک کی وجہ سے آنکھ دوبارہ بند ہونے کے چکر میں تھی جب اسکا پاؤں کسی ٹانگ سے مس ہوا ساری حسیات نے بیدار ہو کر ایمر جنسی کا الارم بجا کر اُسے الرٹ کر دیا۔۔۔ اسکا پاؤں ہارون کی ٹانگ کے اوپر رکھا تھا۔۔۔ بڑی آہستہ آہستہ نہ محسوس طریقے سے اپنا پاؤں واپس کھینچنے لگی۔ عین اُس لمحے جب سکون کا سانس لینے والی تھی تب ہی جان نکل گئی ہارون جو کے پہلے سو رہا تھا۔ کروٹ لیکر شانزے کی طرف متوجہ ہوا۔ نہ صرف اسکا پاؤں واپس کھینچ لیا بلکہ اسکو اپنے بہت قریب کر کے اپنی بانہوں کی گرفت میں بھر لیا۔ شانزے سانس روک کر بالکل ساکت ہو کر سوتی بن گئی۔ اُن لوگوں نے پچھلے چار دن ایک ساتھ بڑے خوشگوار انداز میں گزارے تھے سکو باڈاؤنگ بنی جمپ یہ سارے ہارون کے آئیڈیاز تھے اور شانزے نے ہارون کو یہ بتائے بغیر کہ وہ خود بھی ان سب کاموں کی کتنی شوقین ہے بظاہر ہارون پہ احسانِ عظیم کرتے ہوئے اسکا ساتھ دیتی رہی تھی۔ اور اس دوران دونوں کے درمیان دوستی تو ہو ہی گئی تھی اور شانزے یہ بات تو مان ہی گئی تھی کہ ہارون ایک بے ضرر انسان تھا۔ مگر حقیقت تو روشن تھی کہ وہ دونوں میاں بیوی تھے اور یہ ایسا مقدس رشتہ ہے کہ خود بخود اپنے سے وابستہ انسان کے ساتھ اُلفت و یگانگت پیدا ہو ہی جاتی ہے اور

یہاں تو ہارون پہلے ہی اس رشتے کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں تھا۔ وہ اپنی اٹھل پٹھل ہوتی سانسوں کو ہموار کرنے کی کوشش میں تھی اور ہارون نے آہستہ سے اس کا رخ موڑ کر چہرہ اپنے سامنے کیا۔۔۔ شانزے نے آنکھیں نہیں کھولیں ہارون نرمی سے مسکرایا، شانزے کے چہرے پہ آنکھیں زلفوں کو اپنی انگلیوں سے پیچھے ہٹایا۔

”میں اگر کہوں کہ میں جانتا ہوں کہ تم جاگ رہی ہو تو کیا اس سے تمہیں کوئی حوصلہ ملے گا؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی شانزے کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

”گڈ مورنگ مسز ہارون بخت۔۔۔“ ہارون کے لہجے میں شرارت تھی۔

شانزے نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی ”گڈ مورنگ ٹویوٹو مسٹر ہارون بخت“

ہارون مسلسل مسکرا رہا تھا ”تھینک یو مسز اینڈ آئی لو یو مسز ہارون“

شانزے نے ہارون کی دلکش مسکرتی ہوئی آنکھوں میں بہت اندر تک بہت غور سے دیکھا اور بولی ”اینڈ آئی لائیک یو مسٹر ہا۔۔۔“

ہارون نے ہنسیوں اچکائیں ”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کس حد تک پسند کرتی ہو؟“

شانزے نے زلفی میں سر ہلایا۔ ”میں نے تمہیں اپنے اتنا قریب ہونا رو نہیں کیا اسی سے میری پسندیدگی کی حد کا اندازہ لگا لو۔۔۔“

ہارون کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی۔ ”اور اگر میں کہوں کہ میں اس قرب کی حدود کچھ اور وسیع کرنا چاہتا ہوں تو؟ کیا میں اس تعلق کو اس مقام تک لے جا سکتا ہوں کہ جہاں شانزے اور ہارون دو الگ الگ لوگ نہ رہیں۔۔۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے ایک ہو جائیں۔۔۔“

شانزے ہارون کے قرب اور پھر الفاظ سے گھبراہٹ کا شکار ہو تو رہی تھی مگر وہ اس پہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ جس مقصد کے لئے تم مجھے اپنے ساتھ لائے تھے وہ پورا بھی ہو گیا۔“

اس بات پہ ہارون کے چہرے پہ سنجیدگی چھا گئی جب بولا تو لہجہ بھی سنجیدہ تھا۔ ”میری زندگی میں میرے جیتے جی مجھے نہیں لگتا کہ وہ لہجہ کبھی بھی آئے گا جب میرا دل تمہیں دیکھنے تم سے بات کرنے سے بھر جائے گا اور اگر

میرا مطالبہ ابھی بھی تمہیں میری خود غرضی لگتا ہے تو میں اپنے الفاظ واپس لے لیتا ہوں۔۔۔ اور ویسے بھی صرف چاردن میں تم دشمنی ختم کر کے دوستی پہ آگئی ہو تو میں پر امید ہوں کہ واپسی سے پہلے میں تمہیں جیت جاؤں گا۔“

اب وہ دوبارہ سے پھر مسکرا رہا تھا مگر جواب میں شانزے سنجیدہ تھی۔ ”ہارون اگر میں کہوں کہ تم آلریڈی جیت چکے ہو تو پھر؟“

ایک دم اونچی آواز میں ”یا اللہ تیرا شکر ہے“ کہتے ہوئے اس نے شانزے کو خود سے اور بھی قریب کیا۔۔۔ پہلے تو وہ ہکا بکا رہ گئی مگر ہارون کے اگلے جملوں پہ ہنسی کے فوارے پھوٹ پڑے جو کہ کہہ رہا تھا۔

”جانتی ہو میرا چہرہ اوپر اوپر سے ہی لا پراہ نظر آ رہا تھا جبکہ اندر سے میں انتہائی پریشانی کا شکار ہونے والا تھا کہ میری یہ حیثیت رہ گئی ہے کہ چاردن سے کتے کی طرح دم ہلا رہا ہوں پر یہ لڑکی پٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی یعنی کے حد ہی ہوگئی ہے یار۔۔۔ کہاں وہ ہارون جو شادی سے پہلے راہ جاتے لڑکی سے نمبر حاصل کر لیا کرتا تھا شادی کے بعد اسکی یہ حالت ہوگئی کہ اپنی بیوی تک گھاس نہیں ڈال رہی۔“

شانزے ہارون کی پہلو میں تھی اور ان دونوں کے مشترکہ تھقبے پورے سوئٹ میں گونج رہے تھے۔ ”نہیں اب اتنا بھی دکھی ہونے والی صورت حال نہیں ہے ایک بیوی ہی لفٹ نہیں کروارہی تھی باقی تو کئی حسینائیں فری میں ڈنر کے بعد بریک فاسٹ تک کروانے پہ تلی تھیں وہ تو تم نے خود ہی کفرانِ نعمت کی۔“

شانزے کی بات کو اسنے انجوائے کیا تھا ساتھ ہی بولا۔ ”بے بی اتنی لڑاکا اور خون خار بیوی کے ہوتے ہوئے کوئی پاگل ہی ایسا ڈنر اور بریک فاسٹ آفر قبول کرے گا ہاں تمہاری غیر موجودگی میں سو بسم اللہ۔“

اگلے پل ہارون کے سر کے بال شانزے کے ہاتھوں میں تھے ”ہارون کمینے آئی ول کل یو۔“ ہارون کی مصنوعی آواز جاری تھی جو یک دم تھم گئی۔ کیونکہ اس کے آگے جذبات بولتے رہے اور وہ دونوں بھگتے گئے۔

شانزے کب دوبارہ نیند کی وادیوں میں گئی اسے کوئی خبر نہ تھی البتہ جب آنکھ کھلی کھڑکیوں کے پردے ہٹے ہوئے تھے اور یہ دن پہلے کے سب دنوں سے روشن محسوس ہوا وہ مسکرا کر اپنے آپ میں ہی سمٹ گئی۔ ہارون بیڈ پہ موجود نہیں تھا۔ اور نہ ہی واش روم میں تھا بلکہ جب شانزے نے غور لگا کر سنا تو دوسرے کمرے سے اسکی آواز آتی سنائی دی مگر لگ ایسے رہا تھا کہ جیسے وہ بات کم اور گالیاں زیادہ دے رہا ہو وہ بہت عجیب سے احساس کے ساتھ

بیڈ سے اتری گاؤن پھن کر دھیمے قدموں سے باہر آئی تب ہی وہ دوسرے کمرے سے برآمد ہوا۔ چہرے پہ وحشت و خشونت ابلتی ہوئی لال آنکھیں۔ شانزے کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر پہلے چونکا پھر اجنبی بن گیا یہ عمل چند سیکنڈوں میں ہوا تھا اور شانزے نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

”تمہارے پاس صرف دس پندرہ منٹ ہیں تیار ہونے کے لئے میں واپس گھر جا رہا ہوں اگر چلنا ہے تو نکلو اور اونز۔۔۔“

وہ اسکو درمیان میں ہی ٹوک گئی، ”واپسی میں تو ابھی دو دن باقی ہیں پھر تم ابھی سے کیوں جا رہے ہو؟“ وہ اسکی بات سننے کو رکا نہیں بلکہ بیڈروم میں گھس کر الماری سے اپنے لئے کپڑے نکالنے لگا

”ہارون میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں.....“

وہ مصروف سے انداز میں اک نظر اس پہ ڈال کر گہری سانس بھرتے ہوئے بولا ”جو کام سات دن کا تھا وہ چار دن میں ہی ہو گیا ہے تو ادھر رکنے کی وجہ؟ ویسے بھی آفس اتنے دن اکیلا نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔۔۔ اینڈ ناؤ ایف یو ڈونٹ مائنڈ کیا میں تیار ہو سکتا ہوں۔۔۔ آدھے گھنٹے میں میری فلائٹ ہے۔“

خسک لہجہ اجنبی لگا ہیں وہ کہیں سے بھی وہ شخص نہیں لگ رہا تھا جو کہ پچھلے کچھ دنوں سے شانزے کے ساتھ تھا اوپر سے اُسکے الفاظ شانزے کا جی چاہا تھیں مار مار کر اُسکی شکل بدل دے مگر نہ جانے کیوں اور کس لئے ضبط کر گئی۔ تیزی سے اپنی ایڑھیوں پہ گھوم کر جلدی جلدی اپنی ضروری چیزیں ہینڈ بیگ میں تقریباً پھینکنے کے انداز میں رکھنے لگی۔ جینز اور گرتا تھ لیکر تن پہ ڈالا ہارون سے پہلے ہی اپنا مختصر سامان اٹھا کر ہوٹل کی لابی میں موجود تھی۔

ہوٹل سے ایئر پورٹ تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔ البتہ ہارون کو کوئی بے چینی ضرور تھی وہ سارا راستہ فون پہ خاموشی سے کسی سے میسجز آپیکھنچ کرتا رہا تھا۔ شانزے کے وجود سے مکمل طور پر غافل جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو مگر وہ اپنے ضبط کی آخری حدوں کو آزماتی مسلسل باہر دیکھ رہی تھی۔ ایئر پورٹ پہ بھی جب تک بورڈنگ نہیں ہو گئی ہارون سارا وقت لوگوں کے جھوم سے ایک طرف ہو کر اضطرابی انداز میں یہاں سے وہاں ٹہلتے ہوئے فون پہ نہ جانے کس کے ساتھ الجھتا رہا۔ ایک دفعہ تو شانزے کو اچھی خاصی پریشانی لاحق ہوئی جی چاہا جا کر پوچھے آخر یہ بیٹھے بٹھائے تمہیں ہوا کیا ہے مگر پھر اسکے الفاظ یاد کر کے بے نیاز ہو گئی۔ دھوکے باز کمینہ !!!

اچھا ہی ہوا تھا جو وہ جہاز میں شانزے کے ساتھ والی سیٹ پہ بیٹھنے کی بجائے علیحدہ بیٹھا تھا۔ پاکستان تک کے سفر میں شانزے نے دو چار آنسو بھی بے دردی سے پونچھ ڈالے۔ کراچی ایئر پورٹ پہ دو گاڑیاں انہیں لینے کو موجود تھیں۔ شانزے ہارون کی بھابھی سے ملی اور انہی کے ساتھ انکی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ہارون بھابھی کے ساتھ سرگوشی میں دو چار باتیں کر کے اپنی سیکرٹری اور ڈرائیور کے ہمراہ دوسری گاڑی میں نکل گیا۔

گاڑی جب کراچی کے اندر جانے کی بجائے بیرونی سائڈ سے ہی حیدرآباد کو نکل گئی تب وہ چونکی ”بھابی ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں؟“

وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے بتانے لگیں۔ ”ابھی ہم لوگ گوٹھ جائیں گے۔“

شانزے نے آگے سے دوسرا سوال کر دیا ”کیا ابراہیم بھی ادھر ہی ہے؟“

”ارے تمہیں اس نے فون پہ بتایا نہیں وہ تو بڑی ادی کے ساتھ چلا گیا ہے۔“

شانزے جی بھر کے حیران ہوئی ”مجھے تو اس نے ایسی کوئی اطلاع نہیں دی کب گیا ہے اور کدھادی کے گاؤں؟“

بھابی نے نفی میں سر ہلایا۔ ”اصل میں پیپرز کے بعد بچوں کو چھٹیاں تھیں بس اسی لئے ضد کر کے ادی اور بھائی کو منایا اور وہ سب کو لے گئے حتیٰ کہ زری بھی انکے ساتھ گئی ہے سوات سے آگے کے مقامات دیکھنے کا پروگرام ہے کیونکہ سوات تک وہ لوگ پہلے بھی کئی دفعہ جا چکے ہیں۔“

شانزے کو نئی فکر لاحق ہو گئی۔ ”کیا کروں میں اس لڑکے کا۔ ہزار دفعہ سمجھایا ہے ایسے ہی بتائے بغیر نہ چلے جایا کرو ابھی کل صبح میری اسکے ساتھ بات ہوئی ہے مگر مجال ہے جو اس نے ایسا کوئی ذکر بھی کیا ہو۔“

بھابی نے کندھے پہ ہاتھ رکھا انداز تسلی دینے والا تھا۔ ”فکر نہیں کرو بچہ ہے نا خیال نہیں رہا ہوگا ابھی تو وہ لوگ سفر میں ہونگے انشاء اللہ ایک دفعہ پہنچ گئے تو رابطہ کریں گے پھر تم خود ابراہیم سے بات کر لینا پرا ابھی پریشان ہونے کی بجائے دعا کرو کہ وہ لوگ خیریت سے آئیں۔“

”ہاں کیوں نہیں انشاء اللہ“

”آمین!“





وہ تو عصر کی نماز کے بعد یونہی چہل قدمی کی نیت سے چھت پر آئی تھی اور سچی بات تو یہ ہے تازہ کھلی ہوامیں گھومنے کے بعد اس کے دماغ کو کچھ تراوٹ ملی تھی۔ مگر جو منظر اسکی آنکھوں نے اب دیکھا تھا پوری ہستی ہلا دینے کو کافی تھا۔ وہ جو اوتاک کی جانب موجود منڈیر کے قریب کھڑی تھی۔ اٹلے قدموں بھاگتی ہوئی تیزی سے نیچے آئی۔ پھلی منزل پہ پہنچ کر پھولی ہوئی سانسوں سمیت باہر کو بھاگتی ہوئی نکلی کہ چمن نے درمیان میں آکر روکا۔

”ارے کون پیچھے لگا ہوا ہے جو یوں آندھی طوفان بنی بھاگتی جا رہی ہیں؟“

شانزے نے تیز تیز چلتی سانسوں کے درمیان چمن کو گھورا۔ ”میرے راستے سے ہٹ جاؤ چمن میں تم لوگوں کا سارا جھوٹ جان گئی ہوں۔ تم سب لوگ ہی آپس میں ملے ہوئے ہو۔“

”کیا کہہ رہی ہیں میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا پلیز کھل کر بات کریں گی۔“

شانزے کو اسکی ہٹ دھرمی پہ سخت تپ چڑھی۔ ”کھل کر میں بات کروں؟؟ بقول تمہاری امی کہ ابراہیم تمہاری بڑی پھوپھی کی فیملی کے ساتھ سوات وغیرہ گھومنے گیا ہوا ہے ابھی صبح میں نے کہا میری بات کروادیں تو جواب آیا کہ وہ لوگ خود ہی کہیں پہنچ کر رابطہ کر لیں گے اور پچھلے ایک ہفتے سے یہی ڈرامہ چلا آ رہا ہے۔ کوئی شخص بھی گھر پہ نکلتا ہی نہیں فون لائن بند پڑی ہے میرا موبائل کمرے سے غائب ہو گیا۔ جس شخص کے ساتھ تین ہفتے پہلے میری شادی ہوئی ہے وہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہے اور سب سے بڑا بلنڈر میں ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئی ہوں تمہاری پھوپھی کو جو اوتاک سے نکل کر اپنی گاڑی میں میاں کے ساتھ روانہ ہوئی ہیں۔ اب بتاؤ مجھے کہ میرا بیٹا کدھر ہے؟؟“

اپنے آخری سوال پہ شانزے نے چمن کے چہرے کا رنگ بدلتے ہوئے صاف دیکھا تھا جس سے اسکے اندر کنڈلی مار کر بیٹھا شک کا ناگ انگڑائی لیکر بیدار ہوا تھا مگر اسکے آگے جو ہوا اس نے شانزے کے حواس کو جھنجھوڑ کر رکھ ڈالا۔ اونچا لمبا جوان اس کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑا ہو گیا۔

”شانزے آپا آپ کا گنہگار میں ہوں نہ میں اس دن بچوں کو گاڑی میں اکیلا چھوڑ کر جاتا نہ یہ سب ہوتا پلیز آپ ادا ہارون اور فیملی سے اس قدر بدظن نہ ہوں اس وقت وہ سب صرف آپکی خاطر یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔“

اسکو اپنی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی ”چمن میرے بچوں کو کیا ہوا ہے؟“

چمن کتنی دیر تک خاموش رہا جیسے اسکو حقیقت کے لئے تیار کر رہا ہو ”ابراہیم اور زری کو کسی نے پچھلے ہفتے اغوا کر لیا ہے۔“

اگر وہ سیڑھیوں کی ریلنگ نہ تھام لیتی تو یقیناً گر جاتی کیونکہ جو چمن نے بتایا تھا پیروں کے نیچے سے زمین نکال لے گیا۔ وہ تو پہلے ہی ہارون کے رویے اور اپنی ہتک کا سوچ سوچ کر نیند بھوک ہر چیز بھولے ہوئے تھی اوپر سے یہ غضب۔ یوں لگا جیسے جان ہی نکل گئی ہو۔

”مجھے ہارون بخت کے پاس لے چلو گے ابھی اور اسی وقت۔“

چمن نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ ”وہ یہ بات پسند نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے آپ کو یہ سب بتانے سے سختی سے منع کیا ہوا ہے۔“

”دیکھو چمن مجھے اسکی پروا نہیں ہے کہ اسکو اچھا لگتا ہے یا برا فارگا ڈسک مجھے ابھی لیکر چلو ورنہ میں خود چلی جاتی ہوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ وہ ہے کدھر۔“

چمن نے ایک بار پھر اسے سمجھانا چاہا ”پلیز آپ ضد نہ کریں اطمینان سے یہاں بیٹھے۔۔۔۔۔“  
شانزے نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔ ”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا؟ اور تم ہوتے کون ہو مجھے مشورے دینے والے۔ ہٹو میرے راستے سے ورنہ منہ توڑ دوگی“ اس نے اپنے راستے میں کھڑے چمن کو بری طرح جھڑک دیا۔

”آپ جو چاہیں میرے ساتھ سلوک کر سکتی ہیں۔۔ میں آلرٹیڈی ہارون کے بہت بڑے نقصان کا باعث بنا ہوں۔ ابھی آپکو اسکے سامنے لے جا کر میں اسے ہمیشہ کے لیے ناراض کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس نے سختی سے سب کو منع کیا ہوا تھا کہ کوئی بھی آپ سے اس واقعے کا ذکر نہیں کرے گا۔۔۔۔۔“

وہ درمیان میں ہی چیخ اٹھی ”بے حس انسان تمہیں اپنے ایمپریشن کی پڑی ہوئی ہے!! آخری دفعہ بول رہی ہوں اور یاد رکھنا اس دفعہ ٹالنے کی کوشش کی ناں تو اینٹ سے اینٹ بجا دو گی تم سب دو غلے دھوکے باز لوگ ہو۔“  
سامنے کھڑے چمن نے اضطرابی انداز میں اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرے کچھ دیر کچھ سوچا پھر فیصلہ کرتے

ہوئے جا کر گاڑی کی چابی لے آیا۔

”یونواٹ آپ ابراہیم کی اماں ہیں اور آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ کو اس ساری صورتحال کا علم ہو۔ آئیں میرے ساتھ۔“ شانزے اسی وقت انہی قدموں پہ اسی حلیے میں نکل پڑی۔

☆.....☆.....☆

آج اتنے دنوں کی خفیہ کوششوں کے بعد سپیشل فورس والوں کو تھوڑا بریک تھر ملا تھا۔ اس وقت رینجرز کا آفسر اور سپیشل فورس کا بندہ ہارون کے ساتھ بخت ہاؤس کی سٹڈی میں موجود تھے۔ دونوں افراد سول کپڑوں میں ملبوس تھے اور بغیر کسی پروٹوکول کے آئے ہوئے تھے۔ وجہ ملنے والی دھمکی تھی کہ اگر ہارون نے کسی قسم کی مدد لینے کی کوشش بھی کی تو نتائج کا ذمہ دار بھی خود ہوگا۔ آج ان لوگوں کے ہاتھ وہ فوٹیج آگئی تھی کہ جس میں انخوا کا سارا واقعہ ریکارڈ تھا اور یہ فلم اس دکان کے سی سی ٹی وی کیمرے کی تھی کہ جس کے باہر چین کی گاڑی پارک تھی جب یہ حادثہ پیش آیا تھا۔ جونہی ٹی وی کی سکرین پہ اس آدمی کا چہرہ ابھرا جو اس سارے فساد کی جڑ تھا۔ اسے دیکھتے ہی ہارون کے جڑے سختی سے آپس میں پیوست ہوئے۔

”ہارون کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو؟“

کیپٹن خازن کے سوال پر اس نے سرکواثبات میں ہلایا ساتھ ہی بولا۔ ”اور مجھے لگتا ہے کہ میں آپ لوگوں کی مدد کے بغیر ہی آگے کی کارروائی کر لوں گا۔ اس آدمی نے میرے ساتھ بہت ہی گندہ کھیل کھیلا ہے اب میں اسکو بتاؤں گا کیسے کسی کے جگر کے ٹکڑوں کو جدا کر کے کروڑوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور آپ۔۔۔“ ابھی اسکی بات درمیان میں ہی تھی جب سٹڈی کا دروازہ ایک دھماکے سے دھاوا تھا۔ ہارون کی دروازے کی جانب پشت تھی اور پلٹ کر دیکھے بغیر وہ جان گیا تھا کہ آنے والی ہستی کون ہے کیونکہ گاؤں سے بھابی کی فون کال اسے بتا چکی تھی کہ شانزے آرہی ہے۔

”تھینک یو ویری مچ جنٹلمین میں آپکا بے حد مشکور ہوں جو آپ اپنا قیمتی وقت نکال کر آئے مزید آپکی رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں راجلے میں رہوں گا۔“

تینوں افراد اسکا اشارہ سمجھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ باری باری تینوں نے ہارون سے ہاتھ ملایا اور نکل گئے۔

تب کہیں جا کر اس نے رخ موڑ کر دروازے کی سمت دیکھا جہاں وہ کھڑی اسے ہی گھور رہی تھی اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہارون کو وہاں اپنے لئے ہر وہ جذبہ نظر آیا جو وہ کبھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ غصہ نفرت دکھ شکوہ۔ اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہئے تھا۔۔۔ سردمہری کی چادر اوڑھ لی۔

”تمہیں یہاں کون لایا ہے؟؟“

وہ بولی تو لہجہ ہارون سے بھی سرد تھا ”اس کا جواب میں بعد میں دوں گی پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ میرا بیٹا کدھر ہے“ ہارون نے اک لمحے کو آنکھیں میچیں۔ ”وہ جہاں بھی ہے ایک بات کا یقین رکھو کہ وہ محفوظ ہے۔“ شانزے نے نفرت سے اسے گھورا ”یقین کی بات مت کرو ہارون بخت میرے بے وجہ یقین نے ہی مجھے یہاں لا کر کھڑا کیا ہے نہ میں اپنے بچے کو چھوڑ کر تم جیسے دو غلے دھوکے باز کے ساتھ جاتی نہ یہ سب ہوتا۔ شانزے نے آگے بڑھ کر ہارون کا گریبان اپنی مٹھیوں میں پکڑ لیا۔۔۔“ تم نے میرے ساتھ جھوٹا وعدہ کیوں کیا؟ اگر میرا بچہ یہاں محفوظ نہیں تھا تو کیوں تم نے مجھے مجبور کیا کہ میں اسکو اکیلا چھوڑ کر جاتی۔ جسم کی ہوس تھی ناں ہارون تو یہیں پوری کر لیتے اسکے لیے اتنا ڈرامہ اور پلاننگ کی کیا ضرورت تھی؟“

وہ بولتی جا رہی تھی اور وہ لب بھینچے خاموش کھڑا اسے سن رہا تھا۔

”دیکھو ہارون ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا میں ابراہیم کی ساری جائیداد تمہارے نام کرنے کو تیار ہوں ہم لوگوں کو پھوٹی کوڑی بھی نہیں چاہیے تمہیں ہماری طرف سے کبھی کوئی مطالبہ نہیں ملے گا پلیز میرا بیٹا میرے حوالے کر دو۔“ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں شانزے کے ہاتھ پکڑ کر اپنی شرٹ چھڑوائی۔ ”مجھے اس وقت بہت ضروری کام سے جانا ہے بعد میں بات ہوتی ہے۔“

اسکو پوری طرح نظر انداز کرتے ہوئے ٹیبل پہ پڑا اپنا موبائل اٹھایا دراز کھول کر پسل نکال کر ڈب میں رکھا اور دروازے کے جانب بڑھ گیا۔۔۔ باہر سینگ روم میں اسکے بہنوئی اور شانزے کے ابا بڑے بھائی سبھی لوگ موجود تھے مگر وہ رکے بغیر نکل گیا۔۔۔۔۔ پورچ میں چمن ابھی تک گاڑی میں ہی موجود تھا۔ ہارون کو تیزی سے باہر آتے دیکھ کر محتاط ہو گیا کہیں ڈانٹ تو نہیں پڑنے لگی۔ ہارون آیا بھی اسی کی گاڑی کے قریب اور ڈرائیو سائیڈ کا دروازہ کھول کر چمن کو دوسری سیٹ پہ ہونے کا اشارہ کیا۔ چمن بغیر کوئی سوال کئے سیٹ خالی کر گیا۔



”بزرگوار آپ میرے بابا سائیں کی عمر کے ہیں اس لئے ادب کرنا ضروری سمجھتا ہوں ورنہ میں یہاں کسی خیر سگالی کے جذبے کے تحت نہیں آیا ہوں۔“

رشید فاروقی پوری توجہ سے سن رہے تھے فوراً بولے ”ہارون بیٹے تم نے جو کہنا ہے کھل کر کہو کیا حمید سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔“

ہارون نے نفی میں سر ہلایا۔ ”جو اس نے کیا ہے اسے غلطی بولنا زیادتی ہے فاروقی صاحب۔ میں پچھلے ایک ہفتے سے اپنے بچوں کی شکل دیکھنے اور آواز سننے سے محروم ہوں کیونکہ میری تین سالہ بیٹی اور گیارہ سالہ بیٹے کو نامعلوم افراد نے پچھلے ہفتے سے اغوا کیا ہوا ہے۔ مجھے دھمکی آمیز فون کا لڑموصول ہوتی ہیں کہ اگر میں نے پولیس یا پریس والوں سے کسی قسم کا کوئی بھی رابطہ کیا تو وہ آدمی میرے بچوں کو نقصان پہنچا دے گا اور مجھے کل شام کی ڈیڈ لائن دی گئی ہوئی ہے کہ اس سے پہلے مجھے ڈیڑھ کروڑ روپیہ تادان دینا ہے۔“

حمید کی بیوی تعجب کا اظہار کرتی ہوئی بولی۔۔ ”جو کچھ آپ کی فیملی کے ساتھ ہوا وہ یقیناً افسوس ناک ہے مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ آپ یہ سب ابا کو کیوں بتانے آئے ہیں۔“

ہارون نے اپنی لال انگارہ آنکھوں سے ایک نظر مسز حمید کو دیکھا۔ ”بی بی میں یہاں آپ لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے نہیں آیا ہوں بلکہ آپ لوگوں سے ہمدردی کرنے آیا ہوں۔ وہ بھی صرف اس لئے فاروقی صاحب کہ آپ بھلے آدمی ہیں خاندانی وضع دار لوگ ہیں۔ آج مجھے ٹھوس ثبوت فراہم کیا گیا ہے کہ میرے بچوں کو اغوا کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ حمید فاروقی ہے۔ رشید صاحب آپ جانتے ہیں کہ میں کس خاندان کا فرزند ہوں اپنے گھریا گھر والوں کی طرف اٹھنے والی میلی نظروں کو اکھاڑ کر پھینکنا بہت اچھی طرح جانتا ہوں ابھی آپ کے پاس صرف چار گھنٹے رہ گئے ہیں اپنے بیٹے سے رابطہ کیجئے اور اس کو بتادیں کہ اگر آج کی تاریخ میں میرے بچے صحیح سلامت اپنے گھر نہ پہنچے تو کل کا سورج نکلنے سے پہلے میں حمید فاروقی کی نسل ختم کر دوں گا۔“

حمید کی بیوی کچھ کہنا چاہ رہی تھی کہ ہارون نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروا دیا۔

”بی بی اگر تم میری بات پوری سن لیتیں تو تمہیں تمہارے ہر سوال کا جواب مل ہی جاتا تھا بغیر ثبوت کے میں کبھی تمہارے گھر کی دہلیز نہ پار کرتا۔“ ساتھ ہی اس نے اپنے فون میں موجود ویڈیو آن کر کے انہیں دکھادی جس

کے بعد کوئی شک و شبہ کی بات نہ رہ گئی تھی۔

دونوں باپ بیٹی حق دق اور ششدر رہ گئے انکے چہروں پہ لکھا ہوا تھا کہ وہ یہ سب امید نہیں کر رہے تھے۔ ہارون نے فون واپس جیب میں ڈالا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

”رشید صاحب میں آپکے پاس کوئی منت سماجت کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ موقع دینے آیا ہوں۔ میری بیٹی بریش نیشنل ہے اسکو ڈھونڈنے میں سکاٹ لینڈ یا رڈ میرے اشارے کی منتظر ہوگی۔ یہ آخری چار گھنٹے ہیں اسکے بعد میں پولیس کو بھی انوالو کرونگا۔ ایک بات یاد رہے کہ میں اسکو معاف تو کبھی نہیں کروں گا ہاں اب وہ اپنی فیملی کو اسی صورت بچا سکتا ہے کہ میرے بچے واپس گھر پہنچ جائیں۔“

اپنی بات پوری کر کے وہ چمن کی جانب پلٹا ”تم باہر دروازے پہ کھڑے ہو جاؤ کوئی بھی گھر سے باہر نہیں جائے۔۔۔ گلاب کو فون کر کے ادھر کا پتا بتا کر آئے گا کہو اور رشید صاحب آپ بھی میرا نہیں خیال کے کوئی بد مزگی چاہتے ہیں اسلیے اپنے چوکیدار کو بولیں اگلے چار گھنٹوں کے لئے گیٹ سے ہٹ جائے پر باہر کہیں نہ جائے۔“

رشید فاروقی اس وقت انتہا درجے کی شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔ ساتھ ہی انکے دھیان میں اپنی جوان پوتیوں کے چہرے گھوم گئے جو کہ اس وقت گھر کے دوسرے حصے میں موجود اس ساری پیدا ہونے والی صورت حال سے بے خبر اپنے روز کے معمولات میں مصروف تھیں۔ پوتے پوتیوں کی زندگیوں کو خطرہ نہ پہنچے یہی سوچ کر رشید فاروقی نے بہو کو حکم دیا کہ جو ہارون نے کہا ہے وہ کرواؤں اور مجھے فون سیٹ کے ساتھ نمبروں والی کاپی بھی دیتی جاؤ۔۔۔۔۔ انکی بہونے انکے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چوکیدار کو گیٹ سے ہٹا دیا۔ اور انکو فون دیکر خود آنکھوں میں آئے آنسو چھپاتیں وہاں سے ہٹ گئیں۔

☆.....☆.....☆

آج کراچی سے واپس اسلام آباد آئے پورے تین ہفتے گزر گئے تھے ابراہیم کو ایک ہفتہ گھر پہ رکھنے کے بعد ڈاکٹر کے مشورے سے سکول بھیجنا شروع کر دیا گیا تھا تا کہ وہ واپس نارٹل روٹین میں مصروف ہو کر اغوا کا واقعہ فراموش کر سکتا۔ ویسے تو وہ کچھ کہتا نہیں تھا مگر شانزے جانتی تھی کہ وہ ہارون اور زری کو مس کرتا تھا۔ اسکا ایک ثبوت یہ بھی تھا کہ روز ایک دفعہ زری سے فون پہ لمبی گپ لگانا ابراہیم کی نئی مصروفیت تھی۔ عموماً کال کرتے وقت

وہ فون اٹھا کر اپنے کمرے میں چلا جاتا یا پھر شانزے وہاں سے جاتی مگر اپنے دھیان کا کیا کرتی جو فون کے بغیر ہی کراچی میں کہیں گھومتا رہتا۔ کبھی بہت زیادہ غصہ آتا اور کبھی جی کرتا پھوٹ پھوٹ کر روئے مگر اپنے اندر باہر ہونے والی مسلسل جنگ کو بھی ویسے ہی انور کر رہی تھی جیسے ساری فیملی کو۔

ابھی بھی فون کو واپس سٹینڈ پر بیٹھنے ہوئے بڑ بڑا رہی تھی۔ ”جسکو دیکھو نصیحتوں کا ٹوکرا لئے تیار کھڑا ہے بھلا کون سمجھائے کہ ایسے فیصلے لوگوں کے کہنے پہ نہیں بلکہ دل کی مان کر کرنے پڑتے ہیں۔“

شانزے کی بات پہ کام والی خالہ نے اونچی آواز سے احتجاج کیا۔ ”شانے بی بی یہ بات تو تم رہنے ہی دو میں سب دیکھ اور سن رہی ہوں۔“

شانزے نے ساتھ ہی حساب بے باک کیا۔ ”اگر آپ واقعی سن رہی ہیں تو اٹھ کر دروازہ بھی کھول دیں تین دفعہ بیل ہو چکی ہے۔“ ماسی بڑ بڑاتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی ماسی کی بلند ہوتی چیخوں نے شانزے کے پیروں سے جان نکال دی۔ ابھی وہ اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہ پائی تھی کہ ماسی چور چور چور آگئے کہتی سو کی سپیڈ سے شانزے کے سامنے سے گزر کر جاسٹور روم میں بند ہو گئی۔ اب کے شانزے ہکا بکا اٹھی چور تو اندر نہ آئے پر ماسی غائب عجیب تماشا ہوا تھا۔ جب وہ دروازے تک آئی تو سامنے ہی شرمندہ سا گلاب مکھن گود میں زری کو لئے کھڑا تھا۔ شانزے پہ نظر پڑتے ہی زری چھلانگ لگا کر مکھن کی گود سے باہر تھی۔

”مئی۔۔۔!!“

شانزے بے اختیار اسے تھامنے کو نیچے جھکی۔ ”ارے میری پری کدھر سے آ گئی“ جتنی زور سے شانزے نے زری کو اپنی آغوش میں بھینچا تھا اتنی ہی مضبوطی سے زری نے اسے تھاما ہوا تھا۔ بڑا خوشگوار سر پرانز ملا تھا۔ ”کیا تم لوگ اکیلے آئے ہو؟“

شانزے کے سوال کا جواب مکھن نے نفی میں سر ہلا کر دیا۔ ”بڑے سائیں نیچے گاڑی میں موجود ہیں۔“ ایک لمحے کو دل پہ مایوسی کی چادر لپٹی محسوس ہوئی مگر اگلے ہی پل بشاشت سے بولی۔ ”تو اگلا واپس لیکر آؤ ناں نیچے کیوں چھوڑ آئے۔“ بدلے میں مکھن کا جواب سننے بغیر زری کو گود میں لئے نیچے کی جانب بڑھ گئی۔



باہر واقعی بابا سائیں گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ موجود تھے۔ ”اسلام علیکم بابا جان آپ اوپر کیوں نہیں آئے۔“ وہ کھڑکی کی جانب جھکی تو انہوں نے دروازہ کھول دیا اور اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”بیٹی تمہارے گھر تک آنے کے لئے سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں جس سے میں معذور ہوں اور لفٹ کہتے ہیں کہ بند پڑی ہے۔ اسلیے تم گاڑی میں بیٹھو کہیں باہر بیٹھ کر بات چیت کر لیتے ہیں۔“

شانزے کو لفٹ کے خراب ہونے کا بڑا دکھ اور افسوس ہوا۔ چونکہ ادا کو ماسی کے لئے پیغام دیکر بابا صاحب کے ساتھ چلی گئی۔ گاڑی ایک ریستورنٹ کے باہر رکھی شانزے زری کو لئے اتری جبکہ مکھن نے بابا سائیں کی مدد کی۔ ریستورنٹ میں آمنے سامنے بیٹھ کر لچ کرتے ہوئے ادھر ادھر کی باتوں کے دوران اچانک وہ بولے۔

”شانزے تم ہارون کو سمجھاتی کیوں نہیں ہو۔“

شانزے کا زری کو نوا لاکھلانے والا ہاتھ راستے میں ہی رک گیا۔

”دیکھو میں مانتا ہوں کہ فاروقی کے بیٹے سے بہت بڑی غلطی ہوئی تھی۔ جسکی سزا بھی اسے مل چکی ہے۔ اسکا گھر بک گیا ہے۔ جوان بیٹیوں اور بوڑھے باپ کو لیکر اسکی بیوی در بدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ کاروبار تو اسکا پہلے ہی ختم ہو گیا تھا جب ہارون نے اسکا آرڈر واپس کر دیا تھا ناقص مال تھا۔ اسکی بیوی میرے پاس آئی تھی کہ میں ہارون سے کہوں کہ وہ اپنا کیس واپس لے کر فاروقی کو رہا کروادے کیونکہ ان لوگوں کے پاس تو کیس لڑنے کا بھی سرمایہ نہیں ہے۔ غصے میں وہ بچوں کو لے گیا تھا مگر رکھا اپنی بہن کے گھر ہی۔ مجھے خود اس بد بخت آدمی پہ غصہ ہے پر میرے خیال میں اسکی بیوی نے ہم لوگوں کا ساتھ دیا تھا تو آج ہمیں بھی اسکی بات سننی چاہئے۔ میں نے ہارون سے ابھی بات نہیں کی اور نہ ہی کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے علم ہے کہ وہ آسانی سے نہیں مانے گا اور میں نہیں چاہتا کہ میرا بھرم ٹوٹے اسلیے میں چاہتا ہوں کہ تم اسے سمجھاؤ بلکہ مناؤ۔“

شانزے خاموشی سے نوالے بنا بنا کر زری کو کھلاتی رہی۔ بابا صاحب کو دوبارہ اسے متوجہ کرنا پڑا۔ ”ہاں تو شانزے بیٹی میں کیا امید رکھوں۔ کیا تم اسے مناؤ گی؟؟؟“

شانزے نے اپنی زندگی میں کبھی اتنا زور محسوس نہیں کیا تھا۔ آہستہ سی آواز سے کہا۔ ”بابا جان میرا ہارون سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔“

بابا صاحب نے نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے اسے میز کی طرف اچھالا۔ ”ہاں شکریہ تم نے مجھے اصل مسئلہ یاد کروا دیا جس کے لئے میں زندگی میں پہلی مرتبہ بات کرنے کے لئے خود سے چل کر اپنی اولاد کے پاس آیا ہوں۔“

وہ بات کرتے ہوئے اسے برابر دیکھ رہے تھے کہ کیا تاثرات نظر آتے ہیں۔۔۔ جواب میں اس نے اپنا سر اسقدر جھکا یا کہ کچھ بھی نہ دیکھ سکے۔

”میں سمجھتا تھا کہ بچے اب بڑے ہو گئے ہیں کاروبار اور نوکریاں کرنے والے اپنا اچھا برا سمجھنے والے اور دونوں اپنا نہیں تو کم از کم اپنے بچوں کے دل کا ہی خیال کرو گے مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم دونوں نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔ تم ادھر چھپ کر بیٹھی ہوئی ہو اور ایک وہ صاحبزادے ہیں کوئی ہوش نہیں کب دن نکل رہا ہے کب رات ہوئی آفس سے رات دو تین بجے آتا ہے اور صبح آٹھ بجے ہی پھر سیٹ پہ واپس سارے عملے کی شامت الگ آئی ہوئی ہے۔ اب اندر کی بات کا تو مجھے علم نہیں کہ غصہ اسے تم پہ ہے یا خود پہ مگر نکل ہم سب پہ رہا ہے۔“

شانزے کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے اس لیے خاموشی سے صرف سنتی رہی۔  
بابا صاحب نے پوچھا ”بچے چاہے کتنے بھی باختیار اپنے فیصلوں میں خود مختار ہو جائیں بڑوں کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے تم دونوں کا تو اپنی اپنی انا کے قلعے میں نہ جانے کب تک قید رہنے کا پروگرام ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ آج تم میرے ساتھ چلو جو بھی اس پہ غصہ ہے غلط نہیں ہے سامنے بیٹھ کر دور کرو۔“

شانزے نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ ”میں جانا نہیں چاہتی ہوں۔“  
بابا صاحب نے اطمینان سے سر ہلا کر تسلی دی۔ ”نہ جاؤ کوئی زبردستی نہیں ہے مگر یہ بتا دو کہ میں زری کو بھی تمہارے پاس چھوڑ کر جاؤں یا ابراہیم کو ساتھ لیکر جاؤں؟؟“

آنکھ میں بھر آنے والی نمی کو ہتھیلی کی پشت سے پونچھتے ہوئے بے اختیار ہو کر زری کے چہرے کا بوسہ لیا۔ ابراہیم اور زری کے علاوہ بھی کوئی بہت خوبصورت بیڑی اسے دن و رات کے دوران بہت دفعہ ہارون کی یاد دلاتی تھی۔ حقیقت سے کوئی کب تک بچ سکتا ہے کب تک بھاگ سکتا ہے۔ مگر وہ بھاگ رہی تھی۔ اور نہ جانے

☆.....☆.....☆

گھر سے بھابی اور بہنوں کی کئی کالزکل سے ہی آرہی تھیں جس میں ایک ہی مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ گوٹھ آؤ ساری فیملی اکٹھی ہے اور اس موقع پر تمہاری موجودگی انتہائی ضروری ہے۔ مگر اس نے وہی بہانے کام کی زیادتی کے بنا کر جان چھڑوانی چاہی تھی کیونکہ وہ سرے سے جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ پس پردہ اسکی سالگرہ منانے کی کوشش ہو رہی ہے اسی بات کی اس کو زیادہ چڑتی تھی۔ اس وقت بھی رات کافی سے زیادہ بیت چکی تھی اور وہ اپنے آفس میں لائٹس بند میں ہی صوفے پہ نیم دراز تھا جب پہلے تو آفس کا فون بجا اور کافی دیر تک بجتار ہا جب وہ اکتا کر اٹھ ہی گیا تھا تب ہی فون بند ہو گیا۔ وہ وہیں صوفے پہ ہی بیٹھا رہا نمبر دیکھے بغیر بھی جانتا تھا کہ گھر کا نمبر تھا۔ دوبارہ لیٹنے کے چکر میں تھا جب ایک فیکس آئی اس وقت کس کی فیکس ہو سکتی ہے یہی دیکھنے کو اٹھ کر آ گیا۔۔۔ اور دیکھ کر حیران ہوا کیونکہ فیکس گوٹھ سے بابا سائیں کے نمبر سے تھی۔ اور کوئی کاروباری نوعیت کی ہرگز نہیں تھی بلکہ ڈاکٹر کی رپورٹ تھی وہیں کھڑے کھڑے اس نے موصول ہونے والے صفحے کو تین دفعہ پڑھا اور پر موجود نام دیکھا یونہی صفحہ پلٹا تو دوسری جانب کافی بڑے حروف میں صرف تین لفظ لکھے ہوئے تھے۔

”دو داس انتظار گوٹھ۔۔“

وہیں سب چھوڑ گاڑی کی چابی موبائل اٹھایا۔ فیکس والا ورقہ پینٹ کی جیب میں ٹھونسا اور اگلے دس منٹ تک اسکی گاڑی بھاگتی ہوئی گاؤں کو جا رہی تھی۔ جب راستے میں ایک خطرناک حادثے کا شکار ہو گئی۔ ☆

☆.....☆.....☆

رات کا کھانا کھانے کے بعد بچے تو سب سو چکے تھے کیونکہ وقت کافی ہو گیا تھا اور بڑے اکٹھے بیٹھے گئیں وارر ہے تھے اور موضوع ہارون کی ہی ذات تھی۔ بڑی آپاشانزے سے مخاطب تھیں

”شانزے دیکھو تمہارے سامنے ہی ہے ہم سب نے باری باری کوشش کر دیکھی ہے مگر اب تمہاری باری ہے اور دیکھ لینا اسکے علم میں آنے کی دیر ہے کہ تم ادھر موجود ہو اسی وقت چلا آئے گا۔“

بھابھی سمیت سب بہنوں کے علاوہ نوجوان طبقے کو بھی اس بات سے سو فیصد اتفاق تھا۔ ٹیپو نے ٹھنڈی آہ

بھری ”میں دوستوں سے سنتا تھا کہ بڑے بھائی یا چھوٹے چاچا اور ماموں اپنی شادیوں کے بعد جو روکے غلام ہو کر باقی سب کو بھول جاتے ہیں یا رو آج دیکھ بھی لیا۔۔۔۔۔ میرا شیر جوان چاچا کیسے آدم بیزار کر دیا چاچا جی جی خدا کا نام لیں اور جا کر اپنے میاں کو کال کریں تاکہ ہمارے بنائے گئے پارٹی پلان کی ماں بہن نہ ہو۔“

پہلے تو وہ ٹالتی رہی مگر جب سارے ہی اسکی جانب دیکھنے لگے تو کال کرنے کے بہانے سے وہاں سے اٹھ آئی مگرفون کرنے کی بجائے اپنے بیگ میں سے ایک لیٹرن کال کر کرے سے باہر آ کر سیدھی بابا صاحب کے کمرے کے بغل میں موجود سٹڈی میں آنے سے پہلے ملازمہ کے ہاتھ چمن کو پیغام بھیج کر وہاں بلوا لیا۔ جب تک چمن نہیں آ گیا وہ اس لیٹر کو زور سے مٹھی میں بھینچے سٹڈی کا جائزہ لینے میں مصروف رہی۔ اپنے پیچھے قدموں کی آواز ابھری۔

”آپا آپ نے بلوایا؟؟“

چمن کے سوال پر وہ اسکی جانب پلٹی۔ ”وہ میں پوچھنا چاہ رہی تھی کہ ہارون اس وقت کہاں ہوگا؟؟“

چمن کچھ سوچتے ہوئے بولا ”آخری ترین اطلاع کے مطابق وہ اس وقت اپنے آفس میں موجود ہیں۔“

شانزے کی جانب سے اگلا سوال فٹ ہوا۔ ”اور یہ اطلاع کس نے دی؟؟؟“

چمن پاس پڑی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ”سب سے اہم سورس انکا باڈی گارڈ گلاب اسکے بعد اس سے بھی پکا سورس انکی سیکرٹری روشانے اور اس کے بعد تیسرا سورس آفس کا چوکیدار۔ اب ان میں سے آپ کو جو بھی قابل بھروسہ لگے اسکی بات مان لیں۔“

شانزے نے دوبارہ سوال کیا۔ ”ان تینوں میں سے اس کے ساتھ اس وقت کون ہے؟؟“

چمن ہنستے ہوئے اسے چھیڑنے لگا ”آپ میرے معصوم سے بھائی پہ شک کر رہی ہیں؟؟ ویسے بتا دوں کہ مکھن کو ڈانٹ کر ساڑھے نو بجے ہی گھر بھیج چکے ہیں۔ روشانے کبھی بہت ضروری اور لازمی ہوتب بھی آٹھ بجے سے زیادہ آفس میں نہیں ٹک سکتی اسکو اجازت نہیں ہے اور ہاں چوکیدار ادھر ہی ہے وہ بھی گراؤنڈ فلور پر جبکہ آپکے میاں صاحب تیسرے فلور پہ موجود ہیں۔“

شانزے نے ساری انفارمیشن ہضم کرتے ہوئے اپنے مطلب کا اصل سوال پوچھا۔ ”کیا میں یہاں سے

اسکے آفس ایک فیکس بھیج سکتی ہوں؟“؟“

چمن اپنی جگہ سے اٹھا۔ ”کیوں نہیں جناب! وہ کارزروالی ٹیبل پر رہی آپکی مطلوبہ چیز اور آفس کا نمبر میں ادھر لکھ دیتا ہوں۔“ ساتھ ہی اس نے قلم کے ساتھ ایک پرچے پر نمبر نوٹ کروادیا ”اور کچھ؟“؟“

اسکے سوال پر شانزے نے نفی میں سر ہلایا۔ ”تھینک یو چمن ابھی بس یہی پوچھنا تھا۔“

چمن دروازے کی جانب بڑھا۔ ”نو تھینک شینک شانزے آپ اپنی ٹائم اور سب سے خاص بات کہ شکر یہ آپکا کہ آپ واپس آگئی ہیں یقیناً میں ہارون کے رویے کی وجہ سے گھر میں کسی سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں تھا۔ ہر دفعہ تان بیہیں آ کر ٹوٹی کہ نہ وہ حادثہ ہوتا اور نہ آپ ہارون سے ناراض ہو کر جاتیں۔۔۔“

شانزے نے ہاتھ اٹھا کر اسے درمیان میں ہی ٹوکا ”پہلے تو یہ بات جان لو کہ میں اس حادثے کی وجہ سے نہیں گئی تھی خود ہارون کی وجہ سے گئی تھی کیوں اور کس بات پر یہ اسکا اور میرا معاملہ ہے تمہیں کسی بات کے لئے گلٹی فیئل نہیں کرنا چاہئے ہاں وہ حادثہ اگر ہونا تھا تو بچوں کے ساتھ کوئی بھی ہوتا کسی کی موجودگی میں بھی ہو سکتا تھا ہمیں بس اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ بچے ٹھیک ٹھاک واپس آگئے اور میرا نہیں خیال کہ ہارون بھی اس بات کو لیکر تم سے اب تک ناراض ہو۔“

چمن نے فوراً اسکی بات کی تصدیق کی۔ ”ہاں جی ناراض تو نہیں ہے پر کام بہت کروا رہا ہے اور غلطی کرنے کا مارجن زیرو ہے تو سوچ لیں کیسے طریقے سے بدلے لے رہا ہے۔“ بات کے آخر پر چمن کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر شانزے کی ہنسی نکل گئی۔

اور وہ بھی مسکراتا ہوا وہاں سے ہٹا ”او کے جی میں تو چلا سونے آپ بھی اپنا کام ختم کر کے آرام کریں آپکا میاں اگر صبح تک خود سے نہ آیا تو پھر انخوا کر کے ہی لانا پڑا تو لے آئیں گے۔“

شانزے مسکراتے ہوئے بولی۔ ”آئی ہوپ کے اتنے خطرناک ایکشن کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

چمن شب خیر کہہ کر چلا گیا۔ تو کچھ سوچتے ہوئے وہ کونے میں رکھی فیکس مشین کی جانب آئی وہ زندگی میں پہلی مرتبہ نروس ہو رہی تھی بلکہ کہنا چاہئے نروسینس جیسے احساس سے پالا ہی کل پڑا تھا جب بابا صاحب کو اپنے رو برو دیکھا اور آج اس لمحے وہ یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ یہ فیکس دیکھ کر ہارون کا رد عمل کیا ہوگا اور کیا وہ واقعی شانزے

کے جانے کی وجہ سے سب سے لائق بنا ہوا ہے کہ شانزے کا سرے سے منتظر بھی ہے کہ نہیں۔ اگر دوسری بات سچ ہوئی تو یوں اپنا آپ اسکے سامنے کھول کر رکھ دینے کے بعد اس کا رتبہ جیکٹ کرنا کیسے برداشت کرے گی۔ وہ آج اپنی زندگی کا جو اہی تو کھیل رہی تھی۔ نتیجہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

جلدی سے فیکس بھیج کر وہ آفس سے نکل کر سیدھی اپنے کمرے میں آئی۔ ابراہیم اپنے کزن کے ساتھ دوسرے کسی کمرے میں سو رہا تھا البتہ زری شانزے کے بیڈ پہ ہی سوئی ہوئی تھی۔ اب اس وقت رات کے بارہ بجے بیڈھ کر ہارون کے کسی جواب کا انتظار کرنا فضول ہی تھا جبکہ یہ بھی یقین نہ ہو کہ آیا پیغام وہ وصول کر چکا ہے کہ نہیں۔ اس لیے وہ بھی منہ ہاتھ دھو کر لباس بدلنے کے بعد بیڈ پہ زری کے برابر لیٹ گئی جو کہ کل سے لیکر ایک پل کو بھی شانزے کو چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ جیسے دل میں ڈر بیٹھ گیا ہو کہ شانزے پھر سے کہیں غائب ہو جائے گی۔ شانزے نے اسے خود سے قریب کر کے کتنے ہی بوسے لے ڈالے۔ ”میرا بچہ۔۔۔“ زری کو ساتھ لگائے اور ہارون کے بارے میں ہی سوچتے ہوئے اسکی آنکھ لگ گئی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ دوبارہ جب آنکھ کھلے گی تو ایسی بھیاں خبر سنے گی۔ دروازے پہ ہلکی ہلکی دستک دی جا رہی تھی۔ جب اسکی آنکھ کھلی ارد گرد کا جائزہ لیا پر دوں کے باہر سے ہلکی ہلکی روشنی جھانک رہی تھی مڑ کر ایک نظر زری کو دیکھا جو گہری نیند میں معلوم ہوئی اس لیے اس کے جاگ جانے کے ڈر سے فوراً اٹھ کر دروازہ کھولنے پر سامنے ملازمہ کو کھڑے پایا۔

”بی بی سائین میرے منہ میں خاک جی وہ ہارون سائین کا بڑا خطرناک ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے جی گھر کے سب لوگ ہسپتال چلے گئے ہیں آپ بھی چلیں جی باہر ڈرائیور انتظار کر رہا ہے۔“

شانزے کی خاک سمجھ نہ آیا۔ ”کیا بک رہی ہو۔۔۔!!!“

اسکے غصے سے بولنے پر ملازمہ گھبرائی ضرور مگر پیغام پھر بھی دے دیا۔ ”بی بی دیر نہ کرو باہر گلاب مکھن آپکو لیجانے کے لئے کھڑا ہے۔“

گلاب مکھن کے نام نے دھچکا لگا دیا کونکہ وہ تو کراچی میں تھا ہارون کے لئے۔ شانزے کی آنکھوں کے سامنے یک دم اندھیرا چھا گیا۔ لڑکھڑا بھی جاتی جو ملازمہ آگے ہو کر تھا منہ لیتی۔

”حوصلہ سائین حوصلہ۔۔۔“

ملازمہ نے ہی اسے جوتے دیئے اور الماری سے اجرک نکال کر اسے تھمائی۔ کمرے میں سے نکلنے سے پہلے ایک نظر سوئی پڑی زری پر گئی تو آنکھوں میں ایک بار اتنا پانی نہ جانے کہاں سے جمع ہو کر آ گیا۔ یہ کیا ہو گیا تھا۔ ملازمہ کے ساتھ باہر گیراج تک آئی تو مکھن اجڑی سی شکل لئے گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا ہوا ہے اور کیسے مگر لفظوں نے زبان کا ساتھ ہی نہ دیا۔

مکھن نے دروازہ کھولا وہ اندر بیٹھنے سے پہلے ملازمہ سے صرف اتنا بولی۔ ”زری سوئی ہوئی ہے اکیلی ڈر نہ جائے تم اسکے پاس سو جاؤ۔“

ملازمہ نے سر ہلا کر تسلی دی مکھن نے دروازہ بند کیا دوسری طرف سے آ کر ڈرائیور کے برابر بیٹھا تو گاڑی گیٹ سے نکل کر ایک سمت کو روانہ ہو گئی۔ مکھن کے چہرے پر رقم سنجیدگی نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ اپنے آنسوؤں پہ قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

”مکھن ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟؟؟“

”بی بی سائین میرے میں تو حوصلہ نہیں پڑا اندر جا کر پوچھنے کا آپ خود ہی جا کر دیکھ لیجیے گا۔“

مکھن کے جواب سے زیادہ لہجہ ہارا ہوا تھا شانزے کی ہچکیاں بندھ گئیں ایک دفعہ پھر یہ گھراتی بڑی آزمائش میں پڑ گیا تھا۔ اسکی آنکھوں کے سامنے دلی اور شمن کے خون میں لت پت چہرے گھوم گئے۔

”یا اللہ اسے لمبی زندگی بخش دیں آپکو اپنے حبیب کا واسطہ اسے لمبی زندگی عطا کر دیں۔ یا اللہ میں اسکے بغیر کیا کرونگی۔ اسے اس طرح تو مت چھینیں۔ میں نے تو دو مہینوں بعد اسکی شکل دیکھنی تھی اور آپکو علم ہے کہ یہ سارا وقت میں نے اسکی راہ دیکھتے گزارا ہے میرے ساتھ ایسے تو نہ کریں پیارے اللہ جی مجھے معاف کر دیں اگر مجھ سے غلطیاں ہوئیں ہیں تو مجھے معاف کر دیں مگر ایسی سزا تو نہ دیں۔ یا اللہ میرے معصوم بچوں سے انکا باپ نہ چھنے زری تو مر جائے گی۔ میں کیا کرونگی۔ پیارے اللہ جی اسکے باپ نے اپنے دو جوان بیٹوں کے جنازے اٹھائے ہیں اب مزید کوئی باران ناتواں کندھوں پر مت ڈالیں۔ پلیز اللہ جی میری فریاد سن لیں۔“

”اب بس بھی کرو شانزے کیوں فرشتوں کی دوڑیں لگوار ہی ہو۔۔۔۔۔“

زندگی سے بھرپور آواز اسکے اتنے قریب سے ابھری تھی کہ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا

شدت گریہ سے سرخ ہوئی نم آنکھیں سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر حیرت سے پھیل گئیں۔ جو گاڑی کے کھلے دروازے سے ٹیک لگائے دلکشی سے مسکراتے ہوئے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ شانزے چند لمحات تو آنکھیں پھاڑ کر بے یقینی سے اسے گھورتی رہی جب یقین آ گیا کہ سامنے ہارون ہی کھڑا ہے تو ایک جھٹکے سے گاڑی میں سے اتری اور اسکے سامنے کھڑے ہو کر اسکے ہاتھ بازو ٹٹول کر سارا چیک کیا سوائے ماتھے پہ کی گئی بینڈ تاج کے باقی سب ٹھیک تھا۔ بے اختیار شانزے کا ہاتھ اٹھا اور ویرانے میں زبردست تھپڑ کی آواز گونجی۔

”کینیتم تو یہاں ٹھیک ٹھاک کھڑے ہو پھر ہم لوگوں کے ساتھ ایسا گھٹیا مذاق کیوں کیا؟؟“

ہارون اپنا گال سہلاتے ہوئے بھی مسکرا رہا تھا۔ ”ہم لوگوں سے کون کون مراد ہے؟؟“

شانزے کو اسکا مسخرہ پن ایک آنکھ نہ بھایا۔ ”گھر کے سب لوگ تمہیں دیکھنے ہسپتال گئے ہیں۔“

ہارون نے نفی میں سر ہلایا میں تو ابھی ہسپتال سے ہی پٹی کروا کر آ رہا ہوں مجھے تو وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔

شانزے نے اگلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ”کھن سے پوچھ لو۔“

اسکی تقلید میں ہارون نے بھی کھن کو آواز لگائی مگر شانزے حیران ہوئی کیونکہ کھن سرے سے ہی غائب

تھا۔ ہارون کا قہقہہ جاندار تھا۔

”تم یا تو ابھی تک نیند میں ہو یا پھر شدید شاک کے زیر اثر ہو کیونکہ نہ تو کوئی تمہارے سوا گھر سے نکلا ہے اور

کھن کب کا ڈرائیور سمیت دوسری گاڑی میں واپس جا چکا ہے۔“

شانزے نے سنجیدگی سے اسے گھورا ”آخر تم نے میرے ساتھ ایسا گھٹیا مذاق کیوں کیا؟ میرا ہارٹ فیل

ہو جاتا تو؟؟“

”کہاں یار مذاق کب کیا ہے میرے ماتھے پہ پٹی نظر نہیں آرہی کیا؟؟“ شانزے نے ہاتھ بڑھا کر پٹی

کھینچ دی۔ ہارون کی سی سی نکل گئی۔ ”ظالم عورت تین ٹانگے لگے ہیں کھولوں گی کیا۔۔۔“

”تم ٹانگے کھولنے کی بات کر رہے ہو میرا تو جی چاہ رہا ہے تمہیں گولی ہی مار دوں۔“

ہارون ہنسا ”ابھی کچھ دیر پہلے تو کوئی اور سین چل تھا۔“

شانزے رتی بھر شرمندہ نہ ہوئی ”وہ تو نیند میں ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گئی تھی بس اور کیا“



وہ ابھی تک مسکرا رہا تھا ”تم رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو اس لیے اب بننا بند کرو ویسے اس وقت تم مجھے کوئی خواب لگ رہی ہو۔“

شانزے نے اسکے سینے پہ مکا مار کر اسے خود سے دور کیا۔ ”کینے انسان زیادہ ڈائلاگز مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کونسا تم مجھے لینے آگئے تھے یہ تو میں باباجان کونہ نہیں کر پائی ورنہ میں نے آنا نہیں تھا۔“

ہارون حیران ہوا۔ ”بابا صاحب اسلام آباد گئے تھے؟؟؟“

”ہاں مگر تمہیں تو توفیق نہ ہوئی۔“ دل کا شکوہ دوبارہ سے زبان پہ آ گیا۔

”میں کیوں تمہیں لینے آتا جبکہ چھوڑ کر تم مجھے گئی تھیں جس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا تو کس منہ سے تمہیں لینے آتا۔“

شانزے کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ”تم مجھے جانے ہی نہ دیتے ناں کیوں جانے دیا تھا؟ روکا کیوں نہیں اور یہ کیا کہا تم نے کہ تمہارا کوئی قصور نہیں تھا؟ وہ الفاظ جو تم نے دہی سے واپسی والے دن اپنے اور میرے اس رشتے کے لئے استعمال کئے تھے تمہیں ایسا کہتے ہوئے شرم نہیں آئی تھی۔“

شانزے کی آنکھوں میں جمع ہونے والا پانی سورج کی پہلی کرنوں نے بہت دلکش بنا کر ہارون کو دکھایا تھا۔ بے اختیار اسکے اور اپنے درمیان موجود فاصلہ ختم کیا شانزے کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر گہرائی سے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

”تمہارا دل کیا کہتا ہے شانزے میری اس بکواس میں کوئی سچائی تھی؟؟“

شانزے نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”میں اس وقت بہت شاک میں اور پریشان تھا اور اگر ساری صورت حال تمہیں بتاتا تو تمہارا رد عمل، ادھر ہی بہت وقت ضائع ہو جاتا جبکہ میں تمہیں پریشان اور روتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا تھا اسی لئے وہ سب کیا۔“

اس نے شانزے کے آنسو صاف کر دیئے۔ شانزے نے ہارون کے چہرے کو اپنی انگلیوں سے دھیرے سے چھوا۔ ”اگر تم بتا دیتے تو اس قدر پریشانی میں اکیلا تو نہ کھڑے ہوتے۔“

ہارون نے اسکے ماتھے پہ بوسہ دیا۔ ”میں بہت ڈر گیا تھا شانزے وہ میری زندگی کے بدترین دن تھے اگر

خدا نخواستہ ابراہیم یازری کو کوئی نقصان پہنچتا تو مجھے نہیں علم میں کیا کر دیتا۔ خیر معاف تو اس بد بخت کو اب بھی نہیں کروں گا۔“

شانزے نے اسکے لبوں پہ انگلی رکھی۔ ”اس کو اور اسکی فیملی کو کافی سزا مل چکی ہے ہارون۔“  
 ہارون نے نفی میں سر ہلا کر تنبیہ کرتی نظروں سے دیکھا۔ ”اس موضوع کو چھوڑو اور مجھے اس فیکس کے بارے میں بتاؤ۔۔۔۔۔ میرے علاوہ ساری فیملی کو تو علم ہوگا مجھے پہلے کیوں نہ بتایا یہی فیکس مہینہ پہلے نہیں کر سکتی تھیں میں سر کے بل چل کر تمہیں لینے آتا؟؟؟“

شانزے نے تولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”تمہارے علاوہ اور کسی کو علم نہیں ہے اور یعنی تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ صرف اپنے آنے والے بچے کی خاطر تم مجھے واپس لے آتے۔۔۔“

ہارون نے اسے درمیان میں ٹوک دیا۔ ”پاگل ہوئی ہو۔ تم جانتی ہو کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ میری جو حالت رہی ہے تمہیں پتا چل ہی گیا ہوگا میں تو نہ جانے کتنی دفعہ یہ سوچ کر مرا ہوں کہ میں تمہیں اور ابراہیم کو کھو چکا ہوں اس لیے مجھے تو صرف تمہارے اشارے کی ضرورت تھی۔“

وہ لوگ گوٹھ کو جانے والی پگنڈی پہ کھڑے تھے۔ ہلکے ہلکے اندھیرے کو سورج کی تازہ کرنوں نے اپنی آغوش میں چھپا کر ساری دھرتی کو چمکتے نور میں نہلا دیا۔ ان دونوں کے وجود بھی وہم اور غلط فہمی کے اندھیرے سے نکل کر پیار کے اس نور میں نہا گئے تھے جو دل کے نہاں خانوں میں ایک دوسرے کے لئے موجود تھا۔

شانزے نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ اسکے خوبصورت چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا ”ہارون اب گھر چلیں۔ بچے اٹھ گئے ہونگے۔“

ہارون نے ایک دفعہ پھر اس کے ماتھے کا بوسہ لیا اور اثبات میں سر ہلاتا ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھنے سے قبل پیئیر سیٹ کا دروازہ شانزے کیلئے کھولا۔ اسکے بیٹھنے کے بعد گھوم کر دوسری طرف سے اپنی سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے جب گاڑی آگے بڑھائی تو ہونٹوں پہ بڑی دلکش مسکراہٹ کھیل رہی تھی جس پر شانزے نے وجہ پوچھی۔

”میں سوچ رہا ہوں کہ ساری فیملی کو ناشتے پہ یہ سر پرانز ملے گا تو کیا تاثرات ہونگے خاص کر زری اور ابراہیم کے۔“

شانزے گھبراہٹ کا شکار ہوئی ”کیا مطلب ہے تم ابھی جا کر سب کو بتانے والے ہو کہ ہمارا بچہ آرہا ہے۔“  
 ”ہاں بھئی میری سالگرہ کا بہترین تحفہ ہے۔۔۔۔۔“  
 شانزے نے سر پہ ہاتھ مارا۔ ”دیکھو ذرا میں بھی کتنی پاگل ہوں اتنی باتیں کر لیں اور جو مین بات تھی وہ کی  
 ہی نہیں۔ پپی برتھ ڈے ٹو مائے ہنڈسم ہسبنڈ اینڈ آلو یو اور اگر تم نے بچوں کو بے بی کے بارے میں بتایا تو آئی ول  
 کل یو۔۔۔!“

ہارون نے بیچارہ سامنہ بنایا ”کیا یارا تنے شاندار الفاظ میں وٹس کیا ہے ایک سیڈنٹ کرواؤ گی کیا؟؟  
 شانزے نے بری طرح گھورنے کے ساتھ ساتھ اسکے بازو پہ مکے برسائے شروع کر دیئے۔  
 ”انسان کی شکل اچھی نہ ہونا تو کم از کم بول ہی اچھا دے ایک منحوس لفظ بولتے ہوئے تمہیں اتنی شرم نہیں آ  
 رہی کہ کوئی گھڑی قبولیت کی ہوتی ہے۔“  
 ہارون نے ہنستے ہوئے اسکو ساتھ لگا لیا تو زندگی دھیرے سے مسکرا دی۔

